نوائے غزوۂ ہند

برِّ صغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

مارچ ۲۰۲۵ء		رمضان ۱۴۴۶ھ

بانی مُدیر: حافظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

راہ روی کا سب کو دعویٰ، سب کو غرورِ عشق و وفا
راہِ وفا پر چلنے والے ہم نے لیکن پائے کم!

صاحب سر النبی ﷺ

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے

نصائح

حضرت ابو طفیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اے لوگو! لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے لیکن میں شر کے بارے میں پوچھا کرتا تھا تو کیا تم لوگ زندوں میں سے مردہ کے بارے میں نہیں پوچھتے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، انہوں نے لوگوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف اور کفر سے ایمان کی طرف بلایا، پھر جس کا مقدر اچھا تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کرلیا اور جو لوگ مردہ تھے وہ حق کو قبول کر کے زندہ ہوگئے اور جو زندہ تھے وہ باطل پر چلتے رہنے کی وجہ سے مردہ ہوگئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے نبوت چلی گئی، پھر نبوت کے نہج پر خلافت آگئی، اب اس کے بعد ظلم والی بادشاہت ہوگی۔ جو ان کے ظلم پر دل، زبان اور ہاتھ سے انکار کرے گا تو وہ پورے حق پر عمل کرنے والا ہوگا اور جو ہاتھ کو روک لے گا اور صرف دل اور زبان سے انکار کرے گا وہ حق کے ایک حصہ کو چھوڑنے والا ہوگا اور جو ہاتھ اور زبان کو روک لے گا اور صرف دل سے انکار کرے گا وہ حق کے دو حصوں کو چھوڑنے والا ہوگا اور جو دل سے بھی انکار نہیں کرے گا وہ انسان زندوں میں مردہ ہے۔''

(ابو نعیم في الحلية: ج ١، ص ٢٧٤)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک دن اور ایک رات سرحد پر پہرہ دینا، ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے اور اگر (پہرہ دینے والا) فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جو وہ کر رہا تھا، (آئندہ بھی) جاری رہے گا، اس کے لیے اس کا رزق جاری کیا جائے گا اور وہ (قبر میں سوالات کر کے) امتحان لینے والے سے محفوظ رہے گا۔''

(صحیح مسلم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۸، شمارہ نمبر: ۲

مارچ ۲۰۲۵ء — رمضان ۱۴۴۶ھ

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا اٹھارہواں سال!

اس شمارے میں



تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.site
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire



اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے 'ویب ورژن (PDF وغیرہ)' کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع ہونے والے 'مستعار' مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com



راہ روی کا سب کو دعویٰ، سب کو غرورِ عشق و وفا

ماہِ مارچ کی آمد کے ساتھ پچھلی ڈیڑھ دو دہائی سے جو خیال ذہن میں آتا ہے، وہ بس 'عافیہ صدیقی' ہی کے بارے میں ہوتا ہے، اس لیے کہ ۲۰۰۳ء کے مارچ کی ۳۰ تاریخ کو امریکی آقاؤں کے حکم پر، اپنے ہی وردی پوش بھائیوں نے کراچی سے اس کو اٹھا لیا تھا، پھر باگرام پہنچایا، وہاں سے غزنی اور پھر امریکہ اور پھر چھیاسی سال کی قید۔ عافیہ صدیقی کو اٹھا کر بیچنے والا جنرل احتشام ضمیر تھا، ۲۰۱۵ء میں جب گالف کھیل کر گھر لوٹا تو گھر میں گیس کے پائپوں میں لیکج کے سبب گیس بھری ہوئی تھی، ایک بلب روشن کیا تو پورا گھر آگ سے جل اٹھا، احتشام ضمیر جعفری جھلسا اور بعد اُسی ایم ایچ راولپنڈی میں موت سے دوچار ہوا، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو اغوا کر کے بیچنے والے کا انجام دنیا میں جلنے سے ہوا، خدا ایسے ظالموں کو اگلے جہان میں بھی جلتا رکھے۔ حیرت کی بات ہے کہ احتشام ضمیر جعفری کے انجام کے بعد آج بھی پاکستان کے خائن کور کمانڈر و جرنیل کہتے ہیں کہ عافیہ صدیقی کسی القاعدہ والے کے ساتھ فرار ہو گئی تھی اور اسی نے عافیہ سے بے وفائی کی، قاتلھم اللہ، ایسی افترا بکتے ہوئے ان جرنیلوں کو ذرا حیا نہیں آتی! انہی جرنیلوں میں کیسے ممکن ہے کہ پرویز مشرف کو بھلا دیا جائے۔ اس بدبخت کو جامعہ حفصہ کی عفیفات کی بد دعائیں لگیں۔ جامعہ حفصہ کی اس عفیفہ کی بات آج بھی ہمارے ذہن میں گونجتی ہے جب اس نے کہا کہ قیامت کے دن میں خود پرویز مشرف کو گھسیٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گی اور کہوں گی کہ یا رسول اللہ! اس کو اپنے ہاتھ سے دھکا دے کر جہنم میں پھینک دیں! مشرف کی زندگی کے آخری مہ و سال اسی جہنم کی ابتدائی تپش تھے!

عافیہ صدیقی اور ان جیسی دیگر امت کی بیٹیاں، ذاتی طور پر جو قید و بند اور وحشت و تعذیب کی صعوبتوں سے گزرتی ہیں، تو یہ بھی کچھ کم تکلیف دہ معاملہ نہیں ہے۔ لیکن، عافیہ صدیقی جیسی امت کی بیٹیاں اصل میں ایک کسوٹی ہیں، ایک معیار ہیں۔ ایک ایسی کسوٹی جس پر ایمان کسا جاتا ہے، ایک ایسا معیار جس پر غیرت پرکھی جاتی ہے۔

ماہِ مارچ کے زیرِ نظر اداریے کے لیے یہ سطور ابھی لکھی تھیں کہ غزہ سے پھر سے تباہی، بمباریوں، شہادتوں کی خبریں آنے لگیں۔ ہم 'لا الٰہ الا اللہ' کا اقرار کرنے اور 'محمد رسول اللہ' کے عشق کا دم بھرنے والوں نے ایک نہیں ہزاروں عافیاؤں کو غزہ میں اکیلا چھوڑا ہے۔ ہزاروں عافیاؤں کے سہاگ وہاں اجڑ رہے ہیں۔ ہزاروں عافیاؤں کے بچے عافیاؤں کے شہید و قتل ہونے کے سبب بلک رہے ہیں، آپ نے اس نونہال کی ویڈیو دیکھی ہو گی، جس کے پیٹ سے اس کی آنت باہر کو نکلی ہوئی ہے اور اس کا سانس نہ چل رہا ہے نہ بند ہو رہا ہے، وہ ایک عجیب برزخی کیفیت میں ہے، اس کی ماں اس کے پاس نہیں ہے، تبھی تو اس کی یہ حالت ہے۔ کہیں عافیہ تو ہے لیکن بنین و بناتِ عافیہ نہیں ہیں، اب غزہ کی یہ مائیں سوچتی ہیں کہ سہاگ پہلے اجڑ گئے اور اب بنا اولاد کے ہمارا جینا بھی کوئی جینا ہے؟ فلسطینی تنظیم جہادِ اسلامی کے ترجمان ابو حمزہ کی شہادت کی خبر ملی، معلوم ہوا کہ طوفان الاقصیٰ کے معرکے سے ایک ہفتہ قبل اس نے عروسی کی تھی، پھر ابھی وہ اپنی زوجہ کے ساتھ ہی اسرائیلی بمباری میں شہید ہو گیا۔ ایک دن میں چار سو لوگ اسرائیل نے ابھی چند دنوں قبل غزہ میں شہید کیے۔ عافیہ کیا، ہمارے پاس تو عافیاؤں کی طویل فہرست ہو گئی ہے۔ ایک آدھ عافیہ ہوتی اور اس کا ٹیکساس کی جیل میں وجود ہمارے ایمان و غیرت پر سوالیہ نشان ہوتا، تو ہم کہتے کہ شاید ہماری گلو خلاصی ہو جائے، یہاں تو ہماری غفلت کے سبب ایک طویل فہرست ہے۔ یہ غفلت تو ویسے ہی کہہ دیا، دراصل بے حمیتی کہنا تھا، بے غیرتی لکھنا تھا!

ہمارے پاس بھی کہنے کو کچھ نیا نہیں ہے۔ غزہ کے شہیدوں کی تعداد کیا ہے، ایک عدد ہے جو ہم روز پڑھتے ہیں کہ زیادہ ہو گیا ہے۔ وہاں کوئی ہسپتال نہیں ہے۔ نوے فیصد سے زیادہ انفراسٹرکچر تباہ ہو چکا ہے۔ رمضان کی یہ آخری آخری گھڑیاں ہیں، جب ہم اپنے پیاروں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے متنوع

دستر خوانوں پر افطاریوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو اہلِ غزہ اپنے ہی خون سے بھوک و پیاس سے سحری کیے ہوئے روزوں کو افطار کر رہے تھے۔ سوچنے کا مقام ہے کہ ہم کیسے بخشے جائیں گے؟

جہاد و استشہاد سے ہمیں کچھ لگاؤ نہیں ہے، ہمارا رونا سوشل میڈیا پر سٹیٹس لگانا، سٹوریاں لگانا، ٹویٹس کرنا ہے اور جو خود نہیں کرتے تو بس ان کا کام ٹک ٹاک اور ریلز دیکھنا ہے، کیا ہمارے چھوٹے اور کیا بڑے، سبھی کی زندگی بس یہی رہ گئی ہے۔ جس قوم کو جہاد و استشہاد سے لگاؤ نہ ہو تو اس میں اور مُردوں میں کوئی فرق نہیں۔ جب ایک بار بسببِ مرگ روح بدن سے جدا ہو رہے تو اب یہ روح لاکھ چیخے، لاکھ چلائے لیکن اس کے ان مظاہروں اور احتجاجوں سے پیچھے رہنے والے باز آکر اس جسد کو مٹی میں اتارنے سے رکتے نہیں ہیں۔ ہمارے ان مظاہروں اور احتجاجوں کی صورت میں آہ و بکا کا نتیجہ کچھ نہیں اور اہلِ غزہ جنگ بندی سے قبل اور جنگ بندی کے بعد ویسے ہی تہہ تیغ کیے جا رہے ہیں۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ (سورۃ النساء:۷۵)

”اور (اے مسلمانو) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللّٰہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لایئے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔“

آج جہاد فرضِ عین ہے۔ یقین مانیے! ہمارے اس جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے سے اہلِ غزہ اس وحشت سے بچ سکیں یا نہ سکیں، اس سے زیادہ بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ قیامت کے دن، آج جہاد کے لیے اپنے گھروں سے نکل آنے کا فعل، ہمارے لیے مقبول عذر بن جائے اور اہلِ غزہ ہمیں ہمارے گریبانوں سے پکڑ پکڑ کر نہ گھسیٹیں اور ہم جب حوضِ کوثر پر پہنچیں تو ہماری شکایت رسولِ محبوب (علیہ اَلف صلاۃ وسلام) سے نہ کریں کہ یا رسول اللّٰہ! آپ نے فرمایا تھا کہ میری امت جسدِ واحد کی مانند ہے لیکن یہ تو ہماری حمایت میں اپنے گھروں سے نکلتے، ان کی کو نیند تک نہ خراب ہوئی۔

جن کو اللّٰہ نے اقتدار دیا، حکومتیں، فوجیں، ٹینک، میزائل دیے ان سے ان کی مکلفیت کے بقدر سوال تیار ہے اور کم ترین درجے پر بس جو صرف دعا ہی کر سکے اور بالکل تہی دامن ہو تو یہی اس کی مکلفیت ہے۔ راہِ وفا کو اختیار کرنا اور پھر بے شک دھیمی دھیمی رفتار سے اس پر چلتے رہنا مطلوب ہے، یہ راہِ نجات ہے۔

عافیہ صدیقی کی بہن فوزیہ صدیقی صاحبہ سناتی ہیں کہ عافیہ نے ٹیکساس کے اس زندان میں حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ عافیہ کا یہ خواب کراچی کی عافیہ صدیقی سے غزہ کی عافیاؤں تک کا حال بیان کرتا ہے:

”عافیہ صدیقی نے نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ’آقا! میں کب تک یہاں پر رہوں گی؟ میرا امتحان کب ختم ہو گا؟‘

نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم مسکرا دیے اور فرمایا، ’ارے بیٹی! تمہارا امتحان تھوڑا ہے یہ!‘

عافیہ صدیقی نے فرطِ جذبات میں آکر پوچھا، 'میرا امتحان نہیں ہے تو میں کیوں بند ہوں؟ میرے ساتھ یہ اتنا برا کر رہے ہیں کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔'

عافیہ صدیقی نے جب یہ کہا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں اور وہ خاموش ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عافیہ صدیقی نے رونا شروع کر دیا کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت آہستہ سے فرمایا کہ 'یہ امت کا امتحان ہے!'۔"

پس یہی حقیقت ہے، امتحان میں عافیہ بھی کامیاب ٹھہری اور غزہ کی عافیائیاں بھی، اصل امتحان تو میرا اور آپ کا ہے! اٹھیے فرضِ عین کی پکار پر لبیک کہیے، گھروں میں بیٹھنے والیوں کے ساتھ بیٹھ کر رونے اور دعائیں مانگنے سے کچھ نہیں ہو گا، کچھ کرنا ہے، کوئی غیرت اگر باقی ہے، عشق و وفا کا دعویٰ ہے تو اللہ کے راستے میں اپنے سر ڈالیے، اس سے قبل کہ قافلہ چھوٹ جائے!

راہ روی کا سب کو دعویٰ، سب کو غرورِ عشق و وفا
راہِ وفا پر چلنے والے ہم نے لیکن پائے کم!

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین و دانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

اصلاحِ معاشرہ

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوْمًۢا بِجَهَٰلَةٍ فَتُصْبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَٰدِمِينَ۝

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح جانچ لو کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتاوا ہو۔“

فیصلہ میں احتیاط

اسلام کا امتیاز

دوسرے تمام مذاہب و ادیان میں یہ اسلام کا نمایاں امتیاز اور اس کی اہم ترین خصوصیت ہے کہ اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے رہنمائی موجود ہے، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تشنہ رہ گیا ہو اور اس میں تسکینِ قلب و نظر کا سامان نہ کیا گیا ہو، انفرادی زندگی کے مسائل ہوں یا اجتماعی زندگی کی دشواریاں اور پیچیدگیاں، ہر مشکل کا حل اسلام کی روشن اور پاکیزہ تعلیمات میں موجود ہے، اگر اسلام کے ان معاشرتی مسائل و تعلیمات کو سماج میں برتا جائے تو وہ سماج ظلم اور حق تلفیوں کے عالمی ماحول میں امن و آشتی کا ایسا گہوارہ بن سکتا ہے جو ساری دنیا کے لیے نمونہ ہو، اور شاید دنیا کو آج ایسے ماحول کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

دوسروں کا لحاظ

اجتماعی زندگی ایک دوسرے پر اعتماد کے ساتھ مربوط ہے اور یہ ایک انسانی ضرورت ہے، اس اعتماد کے نتائج اگر صرف اپنی ذات تک محدود ہیں تو فیصلہ کرنے والا آزاد ہے، وہ غور کر کے کچھ بھی فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن اگر اس اعتماد کے نتائج متعدی ہیں اور اس کی وجہ سے دوسروں پر بھی اس کا اثر پڑ رہا ہے تو اس صورت میں فیصلہ کرنے والا آزاد نہیں ہے، وہ جب تک پوری تحقیق نہیں کر لیتا اور جس پر اس نے اعتماد کیا ہے اس کی سچائی اور امانت داری جس کو اصطلاح میں ”عدالت“ کہتے ہیں ظاہر نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اعتماد کر کے کوئی اقدام کر بیٹھے اور اس کا نقصان دوسروں کو بھگتنا پڑے، سورۃ الحجرات کی چھٹی آیت میں اسلام کے اجتماعی نظامِ زندگی کے اسی اہم جزء کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوْمًۢا بِجَهَٰلَةٍ فَتُصْبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَٰدِمِينَ۝ (سورۃ الحجرات: ۶)

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح جانچ لو کہ کہیں تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو، پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتاوا ہو۔“

تفتیش کی ضرورت

یہ معاشرے کا ایک فرض ہے کہ عام طور پر لوگ کان کے کچے ہوتے ہیں، فوری طور پر فیصلہ کرنے میں ان کو کوئی باک نہیں ہوتا، اور اس پر ان کو ناز ہوتا ہے، اس کو وہ قوت فیصلہ سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ حکم شرعی یہ ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے خوب جانچ پرکھ لیا جائے کہ کسی پر ناحق اس کی زد تو نہیں پڑ رہی ہے، کوئی مظلوم تو نہیں بن رہا ہے، پوری تحقیق کے بعد جب شرح صدر ہو جائے تو فیصلہ کیا جائے، عزم کے ساتھ کیا جائے اور اللہ پر اعتماد ہو۔

عام طور پر اجتماعی کاموں میں، اداروں میں، تحریکات میں یہ ناسور پیدا ہو جاتا ہے، ایک بڑا گناہ، بدترین گناہ وہ لوگ کرتے ہیں جن کا کام ہی کان بھرنا ہے، اور دوسری بڑی غلطی وہ لوگ کرتے ہیں جو بغیر تحقیق کے ان کی بات تسلیم کر لیتے ہیں، اس کے نتیجہ میں دلوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور بعض مرتبہ بڑے بڑے دینی و دعوتی کام، ادارے اور تحریکات شقاق و نفاق کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس آیت شریفہ میں سماج کے اس ناسور کو بند کیا گیا ہے، ہر سنی سنائی بات، کسی کے بارے میں کسی کا کوئی تبصرہ بغیر تحقیق کے مان لینا اور اس کا حوالہ دینے لگنا یا اس کے حوالہ سے اقدام کرنے لگنا بالکل غیر اسلامی عمل ہے، حدیث میں آتا ہے:

كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع[1]

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو سنے اس کو بیان کرنے لگے۔“

آنحضرت ﷺ کا طریقہ

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں متعدد روایات ہیں، یہ واقعہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو المصطلق زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا، جب

[1] مصنف ابن ابی شیبه، باب ما كره للرجل أن يحدث بكل ما سمع/۲۶۱۳۱

ان کو معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ زکوۃ وصول کرنے کے لیے آ رہے ہیں تو انہوں نے خود ہی مال زکوۃ جمع کیا اور اس کو لے کر اپنے اپنے علاقہ سے باہر نکل آئے تا کہ وہ خود ہی زکوۃ حضرت ولید کے حوالہ کر دیں اور ان کا استقبال بھی ہو جائے، اسلحہ وغیرہ ان کے ساتھ تھے۔ ادھر کسی نے حضرت ولید کو یہ خبر پہنچائی کہ یہ لوگ زکوۃ دینا نہیں چاہتے اسی لیے تم کو قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں، حضرت ولید نے اس کو سچ سمجھا اور واپس آ کر ﷺ کو پورا قصہ سنایا، بعض حضرات کی رائے ہوئی کہ ان پر فوراً حملہ کرنا چاہیے، لیکن آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تحقیق حال کے لیے بھیجا تو معلوم ہوا کہ ساری باتیں غلط تھیں، کسی نے حضرت ولید کو بالکل غلط خبر دی تھی، وہ لوگ پوری طرح اسلام پر قائم ہیں اور زکوۃ کی ادائیگی کے لیے وہ خود ہی پہلے سے تیار تھے بلکہ بعض روایات میں تو یہ ہے کہ وہ مال زکوۃ لے کر خود ہی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اسی واقعہ پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔[2]

فاسق نا قابل اعتبار

عربی زبان میں فاسق چھلکے سے نکل جانے والے کو کہتے ہیں، اور اصطلاحِ شریعت میں فاسق اس کو کہتے ہیں جو احکاماتِ شریعت سے نکل جائے اور اللہ کی نافرمانی کرے، بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے فاسق کا اطلاق حضرت ولید رضی اللہ عنہ پر کر دیا لیکن کہیں سے بھی اس کا مصداق حضرت ولید نہیں ہو سکتے اس لیے کہ انہوں نے تو جو کچھ ان کو بتایا گیا اس کی خبر حضور ﷺ کو کر دی، اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی، ان پر کہیں سے کذب کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہے، اور پھر (معاذ اللہ) اگر انہوں نے غلط بیانی کی ہوتی تو "يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا" کی تعبیر استعمال نہ ہوتی بلکہ "يَاَيُّهَا النَّبِي" کی تعبیر استعمال ہوتی، خطاب صرف آپ ﷺ کو ہوتا اس لیے کہ انہوں نے تو حضور ﷺ کو خبر دی تھی جبکہ آیت شریفہ میں تمام اہل ایمان کو خطاب ہے، اس میں حضرت ولید رضی اللہ عنہ بطور خاص شامل ہیں۔ لفظ فاسق کا اوّل تو اطلاق اس شخص پر ہو رہا ہے جس نے حضرت ولید کو غلط خبر دی تھی، دوسری بات یہ ہے کہ آیت تو بے شک اس پس منظر میں نازل ہوئی لیکن اب جو حکم دیا جا رہا ہے وہ قیامت تک کے لیے ہے، اس میں کسی فاسق کی تعیین نہیں ہے کہ کوئی بھی فاسق خبر دے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ جب فاسق پر اس سلسلہ میں اعتماد نہیں کیا جائے گا تو کافر و مشرک بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں۔

"نبأ" اہم خبر اور قصہ کے معنی میں ہے اس کا اطلاق عام طور پر کسی بڑی یا اہم خبر پر ہوتا ہے، یہاں فاسق اور نبأ دونوں نحو (عربی گرامر) کی اصطلاح کے مطابق نکرہ استعمال ہوئے ہیں، اس میں عموم کا مفہوم ہوتا ہے، اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ کیسی ہی خبر ہو اگر اس کے اندر اہمیت ہے اور اس کو بتانے والا فاسق ہے تو اعتبار نہیں، اسی طرح کیسا ہی شخص ہو، معاشرہ میں اس کی بڑی عزت ہو، دولت مند ہو، صاحب منصب ہو اگر اس کے اندر فسق ہے تو اس کی بات معتبر نہیں، "تبین" کی ضرورت ہے، یعنی تحقیق و جستجو کے بعد ہی فیصلہ ہو سکتا ہے، اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ فیصلہ کرنے کے لیے نہ قیل و قال کا اعتبار کیا جائے گا اور نہ گمان کی بنا پر فیصلہ ہو گا، جب تک یقین یا ظن غالب نہ ہو جائے۔ ہاں اگر کوئی معمولی بات بتائی جا رہی ہے یا کوئی ایسی خبر دے رہا ہے جس کا کسی پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں تو اس میں تحقیق بھی لازم نہیں ہے۔

سنی سنائی باتوں پر یقین کا نقصان

آگے گمان یا سنی سنائی باتوں کی بنا پر جو فیصلے کر دیے جاتے ہیں اس کے نقصان کا بیان ہے۔

"اَنۡ تُصِيۡبُوۡا قَوۡمًاۢ بِجَهَالَةٍ" کوئی قوم تمہاری ناواقفیت یا طیش کا شکار نہ ہو جائے، جہالۃ کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں ایک مفہوم اس کا ناواقفیت کا ہے یہ علم کی ضد ہے اور دوسرا مفہوم اس کا طیش میں آ جانے کا ہے یہ حلم کی ضد ہے، ظاہر ہے دونوں صورتوں میں جب حقیقت حال سامنے آتی ہے تو سوائے ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا، اسی لیے فرمایا "فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ" اپنے کیے پر پھر تم کو نادم ہونا پڑے۔

اصولی باتیں

اس آیت سے بعض اصولی مسائل سامنے آتے ہیں:

۱. غیر معروف شخص کی نہ شہادت کا اعتبار ہے اور نہ روایت کا، قاضی اس وقت گواہی قبول کر سکتا ہے جب گواہ معروف و معتبر ہو، عادل و ثقہ ہو، اسی طرح روایت حدیث میں بھی اسی راوی کا اعتبار ہے جو معروف ہو، "جہالۃ راوی" اصول حدیث کی مستقل اصطلاح ہے، اس کے معنی راوی کا ناواقف ہونا نہیں ہے بلکہ راوی کے بارے میں ناواقفیت مراد ہے، یہ جہالت راوی ان دس اسباب طعن میں داخل ہے جن کی بنا پر راوی مطعون ہو جاتا ہے اور اس کی روایات قبول نہیں کی جاتیں۔

۲. کسی بھی ایسے عمل سے احتراز ہونا چاہیے جو باعث ندامت ہو، اس میں سارے گناہ اور بے احتیاطیاں شامل ہیں بطورِ خاص قاضی جب کسی کے بارے میں حد، تعزیر، تاوان یا سزا کا فیصلہ کرے تو اس کو بہت تفتیش و تحقیق کے بعد فیصلہ لینا چاہیے، ورنہ وہ خود قابل مواخذہ ہے۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِيۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ؕ لَوۡ يُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ۝ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعۡمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝ (سورۃ الحجرات: ۷،۸)

---

[2] مسند احمد/۱۸۶۵۰ (۲۷۹/۴)

”اور جان رکھو کہ اللہ کے رسول تم میں موجود ہیں، اگر وہ اکثر چیزوں میں تمہاری بات مانیں گے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے، البتہ اللہ ہی نے تمہارے لیے ایمان میں رغبت پیدا فرمادی اور کفر و نافرمانی اور معصیت سے تمہیں بیزار کیا، یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں، (جو ہوا وہ) اللہ کے فضل سے اور اس کے احسان سے، اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔“

رسالت کا حق

تین بنیادی حقوق

امت پر رسول اللہ ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں، ان احسانات کے نتیجہ میں امت پر جو حقوق عائد کیے گئے ہیں ان میں تین بہت ہی اہم اور بنیادی حقوق ہیں، اور یہ تینوں عقیدۂ رسالت سے متعلق ہیں، امت اس وقت تک اپنے نبی ﷺ کی احسان شناس نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس کا عقیدۂ رسالت درست ہو سکتا ہے جب تک وہ ان تینوں حقوق کو سمجھنے والی اور ان کو ادا کرنے والی نہ ہو، ان میں سب سے پہلا حق ”عظمت“ کا ہے، یہ عقیدۂ رسالت کا جزء ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو کل مخلوقات میں سب سے افضل سمجھا جائے، آپ ﷺ نے خود یہ اعلان فرمادیا:

أنا سيد ولد آدم ولا فخر[3]

”میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور میں یہ بطور فخر کے نہیں (بلکہ اظہار حقیقت کے لیے کہہ رہا ہوں)۔“

دوسرا حق ”محبت“ کا ہے، آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ ہو، نہ ماں باپ، نہ مال و تجارت اور نہ ہی اپنی ذات، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (سورۃ الاحزاب: ۶)

”نبی ایمان والوں کے لیے اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہیں۔“

اور خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين[4]

”تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

تیسرا اہم ترین حق آپ ﷺ کی ”اطاعت“ کا ہے، یہ حق عقیدۂ رسالت کا اہم ترین جزء ہے، جو آپ ﷺ کو واجب الطاعۃ نہ سمجھے وہ ایمان سے خارج ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَطِيْعُوْا اللهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ

”اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی۔“

رسول اللہ ﷺ کی رائے کو اپنی خواہشوں، رغبتوں کے مطابق کرنا غیر ایمانی فعل ہے، سورۂ حجرات کی اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلُ اللهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ (سورۃ الحجرات: ۷)

”اور جان رکھو کہ اللہ کے رسول تم میں موجود ہیں، اگر وہ اکثر چیزوں میں تمہاری بات مانیں گے تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔“

عظمت و اطاعت

عظمت رسالت سے متعلق شروع میں جو بات عرض کی جاچکی ہے، وہ بات ایمان کی ہے، حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں کون ایمان والا اس سے واقف نہیں کہ آپ ﷺ بنفس نفیس تشریف فرما ہیں لیکن جذبۂ اطاعت کو ابھارنے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی جارہی ہے تاکہ عظمت رسالت دل میں بیٹھ جائے اور اطاعت کا جذبہ پیدا ہو جائے، اللہ کی طرف سے یہ احسان جتلایا جا رہا ہے کہ تمہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ تم میں موجود ہیں، تم براہ راست مستفید ہو رہے ہو، آپ ﷺ جو فرماتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے، تمام کے تمام تشریعی احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں، ان میں کسی کی رغبت اور خواہشات کو دخل نہیں، آپ ﷺ جو رائے قائم فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر طرح کے مصالح اور ضروریات کے جاننے والے ہیں، علیم و خبیر ہیں، جو حکم بھی رسول کی جانب سے دیا جائے، اس میں چوں چرا کی گنجائش نہیں، اگر رسول اللہ ﷺ خود رائے طلب فرمائیں یا آپ کو مشورہ دیا جائے اور اس میں کسی قسم کا اصرار نہ ہو تو اس کی اجازت ہے، اس کے متعدد واقعات حدیث و سیرت میں موجود ہیں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا مشورہ آپ ﷺ نے قبول فرمایا[5]، غزوۂ

[3] مصنف ابن ابی شیبہ ۴۷۵/۷، ترمذی/ ۳۴۴۱

[4] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان/۱۵، صحیح مسلم/۴۴

[5] سیرت ابن ہشام ۳۷۸/۱

خندق کے موقع پر خود آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا[6]، غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی رائے مدینہ میں قیام کی تھی لیکن وہ صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار تھے[7]، انہوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی رائے دی، آپ ﷺ نے ان کی طیب خاطر کے لیے ان کی رائے قبول فرمالی، اس کا کچھ نقصان بھی ہوا، غزوۂ احد میں بڑے بڑے صحابہ کرام شہید ہوئے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اگر یہ اندازہ ہو جاتا کہ آپ ﷺ حکم دے رہے ہیں اور آپ ﷺ کی خواہش اس میں ہے تو فوراً سر تسلیم خم کر دیتے اور اگر کوئی مشورہ کی بات ہوتی تو مشورہ بھی دیتے، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں، ان کو آپ ﷺ نے ایک خانگی مشورہ دیا، انہوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! یہ آپ کا حکم ہے یا صرف خانگی مشورہ ہے؟ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکم نہیں صرف مشورہ ہے تو انہوں نے معذرت فرمالی، اور آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا، حکم نہیں دیا۔[8]

اسوۂ کاملہ

یہ ساری تفصیل اس زمانہ تک محدود تھی جب احکامات شریعت نازل ہو رہے تھے، ان میں کبھی ردوبدل بھی ہوتا، احکامات منسوخ بھی ہوتے، لیکن تیئس سال کی مدت میں جب یہ شریعت مکمل ہو گئی اور آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو یہ پورا نظام متعین ہو گیا، اب کسی حکم میں تبدیلی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اور نہ اس کی گنجائش باقی رہی کہ کسی مسئلہ میں آپ ﷺ سے کچھ دریافت کیا جاسکتا ہو، آپ ﷺ نے ہر چیز تفصیلی طور پر بیان فرمادی، اب آپ ﷺ کے لائے ہوئے نظامِ شریعت کی پیروی ہر امتی کا فرض ہے، اور جو کچھ منقول ہے وہ حکم شریعت ہے، یہ تقسیم اب کسی طرح ممکن نہیں کہ کسی مسئلہ کو آپ ﷺ کی بشری رائے کہہ کر چھوڑ دیا جائے، کوئی اگر ایسا سوچتا یا رائے رکھتا ہے تو یہ اس کے لیے خطرے کی بات ہے، آپ ﷺ اسوۂ کاملہ ہیں، آیت شریفہ میں خطاب براہ راست حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے، لیکن بالواسطہ پوری امت کو خطاب کیا جارہا ہے، اور جس طرح قرن اوّل میں ترتیب بدل جانے کے نتیجہ میں حیرانی و سرگردانی کا خطرہ تھا وہ خطرہ آج بھی ہے، آپ ﷺ کو پوری امت کے لیے مطاع بنایا گیا، ہر امتی کی حیثیت بنیادی طور پر مطیع کی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی حیثیت بھی مطاع کی ہے، علمائے امت کو نائبین رسول اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے حامل ہیں، ان کے ان فیصلوں میں جو قرآن و سنت سے مأخوذ ہوں ان کی پیروی بھی لازم ہے، درحقیقت یہ ان کی پیروی نہیں بلکہ نبی ﷺ کی پیروی ہے۔

اطاعت مطلقہ

جس طرح آپ ﷺ حیات طیبہ میں مطاع تھے، اسی طرح آج بھی مطاع ہیں، اور آپ کی اطاعت کا مظہر آپ کی شریعت کا اتباع ہے اور جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں آپ کی رائے کو کسی کی خواہش و ضرورت یا مصلحت کی خاطر تبدیل کر دینے میں سخت حیرانی کا اندیشہ ہے، قرآن مجید میں صاف کہہ دیا گیا ہے:

لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (سورۃ الحجرات: ۷)

”اگر وہ (یعنی نبی ﷺ) بہت سے امور میں تمہاری بات مانیں تو تم چکر میں پڑ جاؤ۔“

آپ ﷺ کی حیات میں چونکہ اس کا احتمال تھا کہ صحابہ کی رائے اختیار کی جاتی اور مشاورت ہوتی، اس لیے ”فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ“ فرمایا گیا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس کا کوئی احتمال باقی نہیں رہا، اس لیے کسی بھی منصوص حکم شرعی میں ایسی گفتگو کی بھی گنجائش نہیں، جس طرح کتاب و سنت میں وہ حکم منقول ہے اسی طرح اس کو باقی رکھنا اور عمل کرنا اور کرانا علمائے امت کی ذمہ داری ہے۔

موجودہ دور کا یہ ایک بڑا فتنہ ہے کہ بہت سے نام نہاد علماء یا وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو کتاب و سنت سے ناواقف ہے، بعض مرتبہ منصوص احکامات شرعیہ کے بارے میں ایسی رائے کا اظہار کرتا ہے جس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر وہ رائے تسلیم کر لی جائے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی حیثیت مطاع کی نہیں رہ جاتی، بلکہ اس میں اپنی رائے کو ان کی رائے پر غالب کرنا ہے، اور اس کے نتیجہ میں امت کے لیے حیرانی کے سوا کچھ نہیں، آج ایک رائے ہے، کل دوسری رائے سامنے آئے گی، اور شریعت کھلواڑ بن کر رہ جائے گی، اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا، قرآن مجید میں اس کے لیے ”عنت“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس میں مشقتِ شدیدہ کا بھی مفہوم ہے، اور اختلال کا بھی، یعنی سخت دشواری کے نتیجہ میں آدمی چکرا کر رہ جائے گا، اس کو پھر کوئی سرا نہ مل سکے گا۔ امت کے ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے، خواہ کسی طبقہ سے اس کا تعلق ہو، شریعت مطہرہ سے اس کا تعلق کبھی ٹوٹنے نہ پائے، اس لیے کہ جب ایک مرتبہ آدمی تاریکی میں پڑ جاتا ہے تو پھر اس کو راستہ ملنا سخت دشوار ہو جاتا ہے:

ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور

”اللہ جس کو روشنی نہ دے اس کو روشنی کہاں سے ملے گی؟“

[6] زادالمعاد، كتاب الجهاد والمغازي، فصل رأى سلمان بحفر الخندق/۲۴۰

[7] زرقانی ۲/۲۵

[8] صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب شفاعة النبی صلی الله عليه وسلم

صحابہ رضی اللہ عنہم پر اللہ کا انعام

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول ﷺ کی صحبت و رفاقت کے لیے منتخب فرمایا تھا، پوری جماعت کی تربیت خود آنحضور ﷺ نے فرمائی تھی، ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے محبت رسول ﷺ سے معمور کر دیا تھا، وہ آپ ﷺ کے چشم و ابرو کے منتظر رہتے تھے، آپ ﷺ کی محبت و اطاعت کا جو نمونہ انھوں نے چھوڑا وہ پوری امت کے لیے بڑا سرمایہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص انعام یہ تھا کہ وہ مزاج نبوت میں ڈھل گئے تھے، حضور ﷺ کی چاہت ان کی چاہت تھی، آپ ﷺ کی مرضی کے آگے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت و عزت قربان کر دینا ان کے لیے بڑی بات نہ تھی، اور یہ صرف ان کا حال نہ تھا بلکہ ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، ایمان سے ان کے دل لبریز تھے، خیر ان کے مزاج میں داخل ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ ان پر اپنے اس انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (سورۃ الحجرات: ۸)

”البتہ اللہ ہی نے تمہارے لیے ایمان میں رغبت پیدا فرمادی اور کفر و نافرمانی اور معصیت سے تمہیں بیزار کیا، یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔“

آگے ارشاد ہوتا ہے:

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً

”(جو ہوا وہ) اللہ کے فضل سے اور اس کے احسان سے۔“

وہ صحابہ جن کی بڑی تعداد ایمان لانے سے پہلے دوسرے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، عمومی ماحول کے اثرات اکثر لوگوں پر تھے، لڑائی جھگڑا جن کی گھٹی میں پڑا تھا، اور دسیوں برائیاں ان میں پائی جاتی تھیں، ایمان لاتے ہی ان کی دنیا بدل گئی، ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد کہیں سے گزر رہے تھے، وہاں کسی خاتون نے جس سے پہلے ان کے تعلقات رہ چکے تھے دل لگی کی دعوت دی، انہوں نے فرمایا کہ اب یہ نہیں ہو سکتا، میں ایمان لا چکا ہوں، ایمان ایسی باتوں سے روکتا ہے[9]، ان میں کتنے شراب کے رسیا تھے، لیکن حرمت کا اعلان آتے ہی پھر کبھی خیال بھی نہ لائے، ان کے دلوں کی کیفیت ایسی بدلی کہ ایسی تبدیلی کا نظارہ دنیا نے کبھی نہ کیا ہو گا، یہ ان کے ساتھ اللہ کا خاص فضل تھا، اللہ نے ان کا انتخاب اپنے نبی کی صحبت کے لیے فرمایا تھا، ان میں ایمان لانے سے پہلے بھی نفاق نہیں تھا، دوغلا پن نہیں تھا، وہ صاف گو تھے، حقیقت شناس تھے، جب کسی بات کو صحیح سمجھتے تو اسی کے ہو رہتے، ایمان کے بعد جب حق ان کے سامنے آیا اور ان کے دلوں میں اس کی مٹھاس پیدا ہوئی تو ان کی رت بدل گئی، وہ آنحضرت ﷺ کی صحبت و تربیت میں ایسے ڈھل گئے اور حق کے ایسے داعی بن گئے کہ جہاں گئے وہاں کی دنیا بدل ڈالی، اپنے بلند اخلاق و کردار سے زہد و پرہیز گاری سے اور خلوص و محبت سے انہوں نے دلوں کو فتح کر لیا، چونکہ دین کی حامل وہ ہی جماعت تھی جو دنیائے اسلام کی معلم بنی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص امتیاز بخشا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے دین سیکھ کر اور آپ کے رنگ میں رنگ کر دنیا کے مختلف علاقوں میں دین کی مکمل ترجمانی کر سکیں، پھر آگے اس کے بارے میں قرآن مجید کی گواہی ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

”یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔“

دوسری جگہ ان کے بارے میں یہ اعلان بھی ہو چکا ہے کہ:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (سورۃ المآئدۃ: ۱۱۹)

”اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔“

بعد میں آنے والوں کے لیے خطرہ

آیت کے آغاز میں ایک بڑے خطرہ سے آگاہ کیا گیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو تم اپنی مرضی پر چلانا چاہو گے تو پورا نظام بگڑ کر رہ جائے گا، مگر اس کے آگے ہی یہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ تم پر اللہ کا بڑا فضل یہ ہے کہ تم اس سے دور رہے، اللہ نے خیر کو تمہارے دلوں میں پیدا فرما دیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تمہارے مزاج میں داخل کر دی ہے، اس سے ایک اشارہ یہ ملتا ہے کہ حضرات صحابہ کے دور میں تو وہ خطرہ بہت کم تھا، اس لیے کہ وہ اطاعت میں ڈھلے ہوئے تھے، لیکن یہ خطرہ زمانۂ نبوت سے دوری کے ساتھ ساتھ بڑھتا جائے گا، گرچہ آنحضرت ﷺ موجود نہ رہیں گے لیکن لوگ آپ ﷺ کے ارشادات کو اپنے مفاد کے مطابق کرنے کی کوشش کریں گے، گویا کہ حدیث کو اپنی مرضی کے مطابق بنائیں گے، اور اس کی بیجا تاویلیں کریں گے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کو اپنی رائے پر آمادہ کرنا، جیسے وہاں کہا گیا کہ اگر رسول ﷺ تمہاری ہر بات ماننے لگیں گے تو تم سخت دشواری میں پڑ جاؤ گے، اسی طرح اگر ارشادات رسول کو بھی اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے مطابق کیا جائے گا تو اس کے نتیجہ میں بھی حیرانی و سرگردانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

---

[9] ابوداؤد، باب فی قولہ تعالیٰ : الزانی لا ینکح الا زانیۃ /٢٠٥٣، سنن نسائی/٣٢٢٨

مُجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: أبو البراء الإبّي

وجہ نمبر: اکتّیس (31)

یہ تحریر تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب سے وابستہ یمن کے ایک مجاہد لکھاری ابو البراء الاِبّی کی تالیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

اکتیسویں وجہ: مخلوق سے خوف وڈر

اس حالت میں اس کا مراقبہ، خوف، اور امید ورجاء مخلوق کی طرف پھر جاتی ہے۔ شیطان اسے ہر کام اور ہر حرکت کے بارے میں وسوسے میں مبتلا کرتا ہے۔ کہ اس کی پوچھ گچھ ہو گی اور سرزنش کی جائے گی۔ نتیجتاً وہ بہت سے صالح اعمال چھوڑ دیتا ہے۔ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے اجتناب کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نفس اس حالت سے مانوس ہو کر اس میں ڈھل جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا چہرہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر متغیر نہیں ہوتا!

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (سورۃ آل عمران: ۱۷۵)

”یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔“

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جب بندہ ایسے دیکھے گویا اس کی پیشانی اور تمام مخلوق کی پیشانیاں اللہ وحدہ کے قبضے میں ہیں، اللہ جیسے چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے، تو اس کے بعد یہ بندہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ اور نہ ہی ان سے امیدیں باندھتا ہے۔ اور نہ انہیں آقاؤں کا مرتبہ دیتا ہے۔ بلکہ انہیں مجبور و مملوک غلام سمجھتا ہے۔ جن میں کوئی اور تصرف کر رہا ہے۔ کوئی اور ان کے معاملات کو دیکھ رہا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ایسی نگاہ سے دیکھے تو اپنے رب کی جانب محتاجی اور ضرورت مندی اس کی ایک لازمی صفت بن جاتی ہے۔ اور جب لوگوں کو ایسی نگاہ سے دیکھے تو ان کا محتاج نہیں رہتا۔ اور ان سے امیدیں اور آرزوئیں نہیں باندھتا۔ اس طرح اس کی توحید، توکل اور عبودیت سب کا سب سیدھا اور درست ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (سورۃ ھود: ۵۶)

'میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسہ رکھتا ہوں، (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے اس کی پیشانی اس کی گرفت میں ہے۔ بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔'“

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

”کوئی شخص غیر اللہ سے تب ہی خوف کھاتا ہے جب اس کے دل میں مرض ہو۔ جیسے کہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بعض والیوں کی جانب سے ڈر لاحق ہونے کی شکایت کی۔ تو انہوں نے فرمایا: 'اگر تم تندرست ہوتے تو کسی سے نہ ڈرتے'۔ مقصد یہ ہے کہ تمہارا ڈر اس لیے ہے کہ تمہارا دل تندرست نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ حزب شیطان سے خوف نہ کھائیں۔ بلکہ صرف اللہ وحدہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (سورۃ آل عمران: ۱۷۵)

'یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔'

یعنی شیطان تمہیں اپنے پیروکاروں سے ڈراتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا جس سے ہمیں متنبہ کرنا بھی مقصود ہے:

وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝ (سورۃ البقرۃ: ۴۰)

'اور مجھی سے ڈرتے رہو۔'

اور فرمایا:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (سورۃ المآئدۃ: ۴۴)

'تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔'

اسی طرح فرمایا:

لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۤ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ (سورۃ البقرۃ: ۱۵۰)

'(یہ تاکید) اس لیے (کی گئی ہے) کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں۔ مگر ان میں سے جو ظالم ہیں، (وہ الزام دیں تو دیں) سو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔'

نیز ارشاد باری ہے:

اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (سورۃ المآئدۃ: ۳)

'آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں تو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو۔'

اور فرمایا:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (سورۃ التوبۃ: ۱۸)

'اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکواۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔'

نیز فرمایا:

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (سورۃ الأحزاب: ۳۹)

'اور جو اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔'

مزید ارشاد باری ہے:

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ (سورۃ التوبۃ: ۱۳)

'بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کے جلاوطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے (عہد شکنی کی) ابتدا کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنے کے لائق اللہ ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی میں یہ بھی فرمایا:

"یہ بات لازماً معلوم ہونی چاہیے کہ مخلوق کی رضامندی چاہنا دو وجوہات کی بنا پر نہ عقل کی رو سے اور نہ ہی دین کی رو سے مناسب ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ: یہ ناممکن ہے۔ جیسے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'لوگوں کی رضامندی ایسا مطلوب ہے جو کبھی حاصل نہیں ہوتا'۔ پس تمہیں چاہیے کہ وہ بات اختیار کرو جس میں تمہاری بھلائی اور درستگی ہو۔ اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ اس کے علاوہ جو بھی ہے اسے چھوڑ دو اور اس میں اپنے آپ کو نہ تھکاؤ۔ دوسری وجہ یہ کہ: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کی جستجو کریں۔ جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ التوبۃ: ۶۲)

'مومنو! یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش کر دیں۔ حالانکہ اگر یہ (دل سے) مومن ہوتے تو اللہ اور اس کے پیغمبر خوش کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔'

اور ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ سے ڈریں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ آل عمران: ۱۷۵)

'تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔'

اور فرمایا:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (سورۃ المآئدۃ: ۴۴)

'تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔'

نیز ارشاد فرمایا:

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ (سورۃ النحل: ۵۱)

’اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ۔ معبود وہی ایک ہے۔ تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔‘

اور یہ بھی فرمایا:

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ○ (سورۃ البقرۃ:۴۱)

’اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل کی ہے جو تمہاری کتاب تورات کو سچا کہتی ہے، اس پر ایمان لاؤ اور اس سے منکرِ اول نہ بنو، اور میری آیتوں میں (تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو، اور مجھی سے خوف رکھو۔‘

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ سے خوف کھائیں اور لوگوں کے معاملے میں اللہ سے ڈریں۔ لوگوں پر نہ اپنے دلوں سے اور نہ اپنے اعضاء سے ظلم کریں۔ اور اپنے دل اور اعضاء سے ان کے حقوق ادا کریں۔ اور اس کے برعکس اللہ کے معاملے میں ان سے نہ ڈریں۔ اور ان کے ڈر سے وہ چھوڑ دیں جسے چھوڑنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے۔ جو اس طریقہ پر کاربند رہا انجام کار اسی کا ہے۔ جیسے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا:

’امابعد، جو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا طلب کرے اس سے اللہ بھی ناراض ہوں گے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیں گے۔ لوگوں میں اس کی تعریف کرنے والا بھی اس کی مذمت کرنے لگے گا۔ جبکہ جو شخص لوگوں کو ناراض کرتے ہوئے اللہ کی رضامندی طلب کرے گا اس سے اللہ بھی راضی ہو جائیں گے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیں گے۔‘

پس مومن کی سوچ اور اس کا ہدف بس صرف اپنے رب کو راضی کرنا ہوتا ہے اور اللہ کے غصے سے بچنا ہوتا ہے۔ ایسے ہی شخص کے لیے انجام کار بہتر ہو گا۔ اور اللہ کے سوا نہ کوئی چارہ ہے اور نہ طاقت۔“

فَلَيْتَكَ تَحْلُو وَالحَيَاةُ مَرِيرَةٌ
وَلَيْتَكَ تَرْضَى وَالأَنَامُ غِضَابُ

وَلَيْتَ الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَكَ عَامِرٌ
وَبَيْنِي وَبَيْنَ العَالَمِينَ خَرَابُ

إِذَا نِلْتُ مِنْكَ الْوُدَّ فَالكُلُّ هَيِنٌ
وَكُلُّ الَّذِي فَوْقَ التُّرَابُ تُرَابُ

کاش زندگی کی کڑواہٹ میں تیری مٹھاس پا لوں
کاش تو راضی ہو جائے گرچہ مخلوق نالاں ہو

کاش جو میرے اور تیرے درمیان ہے، شاد و آباد رہے
اور جو میرے اور جہان والوں کے درمیان ہے، خراب و برباد ہو

اگر تجھ سے مجھے مودت حاصل ہو گئی تو باقی ہر چیز ہیچ ہے
جبکہ اس (فانی) مٹی پر جو کچھ ہے وہ بالآخر (فانی) مٹی ہی تو ہے [1]

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: آخر جہاد ہی سے لاپروائی کیوں؟

مانا کہ محبت کی خاطر ہم تم نے قسم بھی کھائی تھی
یہ امن و سکوں سے دور فضا پیغامِ سکوں بھی لائی تھی
وہ دور بھی تھا جب دنیا کی ہر شے پہ جوانی چھائی تھی
خوابوں کی نشیلی بد مستی معصوم دلوں پر چھائی تھی
لیکن وہ زمانہ دور گیا اب یاد نہ آؤ رہنے دو
جس راہ پہ جانا لازم ہے اس سے نہ ہٹاؤ رہنے دو
اب وقت نہیں ان نغموں کا جو خوابوں کو بیدار کریں
اب وقت ہے ایسے نعروں کا جو سوتوں کو ہشیار کریں
دنیا کو ضرورت ہے ان کی جو تلواروں کو پیار کریں
جو قوم و وطن کے قدموں پر قربانی دیں، ایثار کریں
رودادِ محبت پھر کہنا اب مان بھی جاؤ رہنے دو
جادو نہ جگاؤ رہنے دو فتنے نہ اٹھاؤ رہنے دو

☆☆☆☆☆

[1] یہ اشعار ابو فراس حمدانی نے اپنے چچازاد سیف الدولہ حمدانی کے لیے کہے ماسوائے آخری بیت کو جو کہ متنبی کا ہے (دیکھیے: دیوان أبی فراس الحمدانی، ص۲۷)۔ ان اشعار کے بارے میں امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”اس شخص نے یہ کہہ کر انتہائی بے ادبی کی کیونکہ اس نے یہ اشعار ایسے مخلوق کے لیے کہے جو نہ اس کے لیے اور نہ اپنے لیے کسی ضرر یا فائدہ کا مالک ہے“۔ مقصد یہ ہے کہ یہ اشعار صرف اللہ عزوجل کے لیے سزاوار ہیں۔ (دیکھیے کتاب: منازل الحور العین، فی قلوب العارفین، برب العالمین، ص۴۷)۔ عربی کتب میں ان کا استعمال محبت الٰہی کے لیے اتنا غالب ہو گیا کہ اب ان اشعار کا اصل ہی لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو چکا ہے۔ یہاں فاضل مصنف نے صرف پہلا اور آخری بیت ذکر کیا تھا۔ ہم نے فائدے کے لیے تینوں ابیات ذکر کر دیے۔ (مترجم)

ساتویں قسط



سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں

معاصرِ جہاد کے لیے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد فوائد و حِکَم!

شیخ منصور شامی رحمۃ اللہ علیہ / استفادہ: مفتی محمد متین مغل

زیر نظر تحریر شیخ منصور شامی (محمد آل زیدان) شہید رحمۃ اللہ علیہ کے آٹھ عربی مقالات کا اردو ترجمہ ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ محرم ۱۴۳۱ھ میں وزیرستان میں شہید ہوئے۔ یہ مقالات مجلہ 'طلائع خراسان' میں قسط وار چھپے اور بعد ازاں مذکورہ مجلے کی جانب سے محرم ۱۴۳۲ھ میں کتابی شکل میں نشر ہوئے۔ ترجمے میں استفادہ اور ترجمانی کا ملا جلا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مترجم کی طرف سے اضافہ کردہ باتوں کو چوکور قوسین [] میں بند کیا گیا ہے۔ (مترجم)

کعب بن اشرف اور ابو رافع کا قتل

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں صحابیِ رسول حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا:

'کعب بن اشرف یہودی کا کام کون تمام کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت ستا رکھا ہے۔'

محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا:

'یا رسول اللہ! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں تو میں اس کام کو انجام دوں۔'

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اجازت ہے۔'

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

'مجھے یہ بھی اجازت دے دیجیے کہ جو مناسب سمجھوں وہ باتیں اس سے کہوں۔'

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، غرض محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، کعب بن اشرف کے پاس آئے اور کہا:

'یہ شخص محمد بن عبد اللہ ہم سے زکوۃ مانگتا ہے اور ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے اور میں تمہارے پاس قرض مانگنے آیا ہوں۔'

کعب نے کہا:

'(ابھی کیا دیکھا ہے) واللہ! یہ آگے چل کر تم کو بہت ستائے گا۔'

محمد بن مسلمہ نے کہا:

'خیر! ابھی تو ہم نے اس کی پیروی کر لی ہے، فوراً چھوڑنا بھی ٹھیک نہیں، دیکھتے ہیں کہ آگے کیا ہوتا ہے، اس وقت تو میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ ایک یا دو وسق کھجوریں ہم کو قرض دے دو۔'

کعب نے کہا: 'قرض مل جائے گا، کچھ رہن رکھ دو۔'

انہوں نے کہا: 'کیا رہن رکھیں؟'

کعب نے کہا: 'اپنی عورتوں کو رہن رکھ دو۔'

ان حضرات نے کہا: 'یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم عورتوں کو کس طرح رہن کر دیں؟ سارے عرب میں تم خوبصورت ہو!'

اس نے کہا: 'اپنے بیٹے رہن رکھ دو۔'

انہوں نے کہا: 'تمہارے پاس بیٹوں کو کیسے رہن رکھ دیں؟ آئندہ انہیں طعنہ دیا جائے گا کہ وہ ایک یا دو وسق میں رہن رکھا گیا ہے اور اس کو ہم برا سمجھتے ہیں، البتہ ہم اپنے ہتھیار رکھ سکتے ہیں۔'

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے دوبارہ ملنے کا وقت طے کیا اور چلے گئے۔ رات کو دوبارہ آئے اور ابو نائلہ کو ساتھ لائے جو کعب کا دودھ شریک بھائی تھا۔ کعب نے ان کو قلعہ میں بلا لیا اور پھر ان کے پاس نیچے آنے لگا۔

اس کی بیوی نے کہا: 'اس وقت کہاں جاتے ہو؟'

کعب نے کہا: 'یہ محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ میرا بھائی ہے جو بلاتے ہیں۔' (سفیان کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار کے سوا اور لوگوں نے اس حدیث میں اتنا

اور اضافہ کیا ہے کہ کعب کی بیوی نے یہ بھی کہا: 'اس کی آواز سے تو خون ٹپک رہا ہے'۔)

کعب نے کہا: 'کچھ نہیں میرا بھائی ابو نائلہ اور محمد بن مسلمہ ہیں اور شریف آدمی کو تو رات کے وقت بھی اگر نیزہ مارنے کے لیے بلائیں تو جانا چاہیے۔'

محمد بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمیوں کو اور لائے تھے اور ان سے کہہ رکھا تھا کہ 'کعب جب آئے گا تو میں اس کے سر کے بال تھام کر سونگھوں گا، جب تم دیکھو کہ میں نے مضبوط تھام لیا ہے تو تم اپنا کام کر ڈالنا اور اس پر وار کرنا۔'

غرض کعب چادر اوڑھے ہوئے اترا، اس کے جسم سے خوشبو مہک رہی تھی۔

محمد بن مسلمہ نے کہا: 'میں نے آج تک ایسی خوشبو نہیں دیکھی۔'

کعب نے جواب میں کہا: 'اس وقت میرے پاس ایسی عورت ہے جو سب عورتوں سے زیادہ معطر رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہے۔'

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: 'کیا سر سونگھنے کی اجازت ہے؟'

اس نے کہا: 'ہاں۔'

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھایا پھر دوبارہ اجازت لے کر سونگھا اور زور سے تھام لیا اور ساتھیوں سے کہا ہاں اس کو لو! انہوں نے فوراً اس کا کام تمام کر دیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قتلِ کعب کی خوشخبری سنائی۔''[1]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اپنی صحیح بخاری میں ایک اور روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند انصار کو ابو رافع یہودی کے قتل کے لیے بھیجا اور ان پر حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ یہ ابو رافع، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو [اپنی بدزبانی اور ریشہ دوانی سے] سخت اذیت دیا کرتا تھا اور آپ کے مخالفین کی اعانت کرتا تھا۔ زمین حجاز میں اس کا قلعہ تھا اور وہ اس میں رہائش پذیر تھا۔ جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کے وقت لوگ اپنے مویشی واپس لا رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

'تم اپنی جگہ پر ٹھہرو، میں جاتا ہوں اور دربان سے مل کر اس سے نرم نرم باتیں کر کے قلعے کے اندر جانے کی کوئی تدبیر کرتا ہوں۔'

چنانچہ وہ قلعے کی طرف روانہ ہوئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر خود کو کپڑوں میں اس طرح چھپا لیا گویا وہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت اہلِ قلعہ اندر جا چکے تھے۔ دربان نے اپنا آدمی سمجھ کر آواز دی:

'اے اللہ کے بندے! میں دروازہ بند کر رہا ہوں اگر تو اندر آنا چاہتا ہے تو آجا۔'

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر (قلعے کے) اندر داخل ہوا اور چھپ گیا۔ جب سب لوگ اندر آ چکے تو دربان نے دروازہ بند کر کے چابیاں کھونٹی پر لٹکا دیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر ابو رافع کے پاس رات کے وقت قصہ گوئی ہوا کرتی تھی اور وہ اپنے بالاخانہ میں رہتا تھا۔ جب داستان گو اس کے پاس سے چلے گئے تو میں اس کی طرف چلنے لگا۔ جب کوئی دروازہ کھولتا تو اندر کی طرف سے اسے بند کر لیتا تھا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ اگر لوگوں کو میری خبر ہو جائے تو مجھ تک ابو رافع کو قتل کرنے سے پہلے نہ آ سکیں۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے بچوں کے درمیان سو رہا ہے۔ چونکہ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کس جگہ پر ہے اس لیے میں نے ابو رافع کہہ کر آواز دی۔

اس نے جواب دیا: 'تو کون ہے؟'

میں آواز کی طرف جھکا اور اس پر تلوار سے زوردار وار کیا، چونکہ میں اعصابی تناؤ کا شکار تھا اس لیے اس ضرب سے کچھ کام نہ بنا۔ وہ چلانے لگا تو میں کمرے سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر میں پھر اندر آیا اور میں نے کہا:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کعب بن اشرف کا قتل۔ روایت میں راوی کے شکوک حذف کیے گئے ہیں۔

’اے ابورافع! یہ کیسی آواز تھی؟‘

اس نے کہا: ’تیری ماں پر مصیبت پڑے، ابھی ابھی کسی نے اس کمرے میں مجھ پر تلوار کا وار کیا ہے۔‘

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے پھر ایک اور بھرپور وار کیا مگر وہ بھی خالی گیا اگرچہ اس کو زخم لگ چکا تھا لیکن وہ اس سے مرا نہیں تھا، اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی، خوب زور دیا تو وہ اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ سو مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے مار ڈالا ہے، لہذا میں ایک ایک دروازہ کھولتا ہوا سیڑھی تک پہنچ گیا۔ چاندنی رات تھی، یہ خیال کر کے کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں نیچے پاؤں رکھا تو دھڑام سے نیچے آ گرا جس سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اپنی پگڑی سے اسے باندھا اور باہر نکل کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ اپنے دل میں کہا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے، لہٰذا جب صبح کے وقت مرغ نے اذان دی تو موت کی خبر دینے والا دیوار پر کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

’لوگو! میں تمہیں حجاز کے سوداگر ابو رافع کے مرنے کی خبر دیتا ہوں۔‘

یہ سنتے ہی میں اپنے ساتھیوں کی طرف گیا اور ان سے کہا:

’یہاں سے جلدی بھاگو۔ اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو ہمارے ہاتھوں قتل کر دیا ہے۔ پھر وہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور آپ کو تمام قصہ سنایا۔ آپ نے مجھے فرمایا:

’اپنی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پھیلاؤ!‘

چنانچہ میں نے اپنی پنڈلی پھیلائی تو آپ نے اپنا دست مبارک اس پر پھیر دیا جس سے وہ ایسے ہو گئی گویا مجھے اس میں کبھی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔“[۲]

[۲] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ابو رافع عبد اللہ بن ابی الحقیق کا قتل

[۳] فتح الباری

مشرکین کا ہدفی قتل

ان دونوں واقعات میں اس بات کے جواز کی دلیل موجود ہے کہ حربی مشرک تک اگر اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے تو اس کو بغیر دعوت دیے [اور للکارے بغیر] نشانہ بنا کر قتل کرنا جائز ہے[۳]، دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح کے ہدفی قتل کے اور بھی واقعات رونما ہوئے ہیں۔

سو کفار کے ساتھ جنگ میں ہدفی قتل کوئی نیا طریقہ اور بدعت نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزمودہ و فعال حربہ ہے، بلکہ خود قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے، ارشادِ باری ہے:

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ(سورۃالتوبۃ:۵)

”ان مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر ڈالو اور انہیں پکڑو اور انہیں گھیر و اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ تاک لگا کر بیٹھو۔“

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی تم ایسی جگہ بیٹھ کر ان پر نظر رکھو کہ وہ تمہارے وجود اور ارادوں سے بے خبر رہیں، سو یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافروں کو دعوت دیے بغیر چپکے سے قتل کر دینا جائز ہے۔[۴]

البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ طریقہ کار بالعموم درجِ ذیل صفات کے حامل دشمنانِ دین کے خلاف استعمال کیا گیا ہے:

- ایسے سردار اور مال دار کفار جن کا معاشرے میں اثر و رسوخ تھا۔
- ان کے جرائم سنگین اور ان کی دین دشمنی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔
- انہوں نے محافظوں کے پہرے اور دیگر مادی رکاوٹوں سے خود تک رسائی کو مشکل بنا رکھا تھا۔

دورانِ جنگ ایسے افراد کو نشانہ بنانا انتہائی مؤثر ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس سے پوری جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے، کیونکہ ایسی کارروائی کے درجِ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

- مجرم کیفرِ کردار کو پہنچ جاتا ہے اور اپنے کیے کا بدلہ پاتا ہے۔
- کبھی اس ایک مجرم قائد کے مرنے سے پورا نظام زمین بوس ہو جاتا ہے، جیسے یمن میں مسلمانوں کے اسود عنسی ملعون کو قتل کرنے سے اس کے جتھے کا سارا زور ٹوٹ گیا۔

[۴] تفسیر قرطبی، التوبہ؛ آیت ۵

- دیگر دشمنانِ اسلام جو اس کی دیکھا دیکھی ان جرائم کے ارتکاب کی تیاری یا منصوبہ بندی کر رہے ہوتے ہیں، وہ اس کا انجام دیکھ کر سبق سیکھ لیتے ہیں، کیونکہ اللہ کے دین کی دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے نفوس بھی جب محسوس کرتے ہیں کہ اہلِ حق ان پر گرفت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں تو وہ زندگی سے محبت کی بنا پر ساری دشمنی بھول کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

اسی لیے کعب بن اشرف کے قتل کی بعض روایات میں آتا ہے:

> ”یہود دہشت زدہ ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے سردار کو دھوکے سے قتل کیا گیا ہے [مقصد یہ تھا کہ یہ ایک جرم ہوا ہے، سو اس کے کرنے والے کو کوئی سزا دی جائے] رسول اللہ ﷺ نے یہود کو اس کے کرتوت یاد دلائے کہ وہ میرے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا تھا اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کا باعث تھا، رسول اللہ ﷺ کی اس دوٹوک بات کو سن کر یہود ڈر کر چپ ہو گئے۔“[5]

احادیث مبارکہ میں دونوں طرح کے واقعات موجود ہیں، کبھی ایک فرد نے ہدفی قتل کی مہم سر انجام دی اور کبھی ایک گروہ نے یہ ذمے داری پوری کی، سو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے افراد اور گروہ تیار کریں جو ہدفی قتل کے فریضے کو انجام دیں، اس مسئلے کی بابت شیخ عبد الرحمان دَوسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ”حسبِ استطاعت جنگ کی تیاری کرنا دینی فرائض میں سے ہے اور اقامتِ دین کے لیے ایک لابدی امر ہے، سو اللہ تعالیٰ کی صحیح عبادت کرنے والا فرد وہی ہے جو اس میں تاخیر نہ کرے، اس کے ترک یا اس میں سستی کا تو سوال ہی نہیں، ایسے عابد اور پختہ مجاہد ہی الحاد و اباحیت کے داعیوں، اللہ کے وحی پر اعتراض کرنے والوں اور دینِ حنیف کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے کفر کے لیڈروں کے خلاف ’ہدفی قتل‘ کا حربہ استعمال کرتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا رسانی کا باعث ہیں، ایسے لوگ جس خطہ زمین میں بھی پائے جائیں مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ انہیں زندہ رہنے دیں، رسول اللہ ﷺ نے ابن الحقیق وغیرہ کے قتل پر مسلمانوں کو ابھارا تھا اور ان معاصر خبثاء کا ضرر تو ان سے کئی گنا زیادہ ہے، پس انہیں قتل نہ کرنا رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی اور اللہ کی بندگی میں بہت بڑی کوتاہی ہے، جس سے دین ڈھانے والے عناصر کو کھلی چھوٹ مل جاتی ہے، اس بے توفیقی کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ اللہ کے دین پر غیرت نہیں رہی اور اللہ جل جلالہ کی خاطر غضبناک ہونے کا جذبہ جاتا رہا! یہ طرزِ عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور تعظیم میں بہت بڑی کمی پر دلالت کرتا ہے، صحیح معنی اور مطلوب انداز میں عبادت کرنے والا بندہ مومن ان عیوب سے بری ہوتا ہے۔“[6]

سنگین جرم کی سزا

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”ابو رافع کے قتل کے واقعے سے اخذ شدہ فوائد میں سے ایک ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنا ہاتھ، مال یا زبان استعمال کرے اسے قتل کیا جائے گا۔“[7]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”پس یہ سب احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جس کافر نے بھی رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائی تو آپ ﷺ نے ایسے تمام کفار کے قتل کا ارادہ و فیصلہ کیا اور مسلمانوں کو اس پر ابھارا۔“[8]

رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی ایک سنگین و گھناؤنا جرم ہے، جس کی سزا قتل سے کم نہیں، اور (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) یہ جرم اگر کسی مسلمان سے صادر ہو تو یہ رِدّتِ غلیظہ ہے یعنی اگر وہ توبہ کر بھی لے تو اس سے دنیا میں اس سے قتل کی سزا دور نہیں ہو گی، کیونکہ اب اس کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک سے ہو گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بد زبانی کرنا، آپ کا یا آپ کی کسی مبارک سنت کا مذاق اڑانا اشارے کے ذریعے یا تصویر بنا کر یا اور کسی عمل سے، یہ سب صورتیں شانِ اقدس میں گستاخی کے زمرے میں آتی ہیں۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی بدترین جرائم میں سے ہے، سو ایسے بدبخت مجرم کا قتل بھی بہت بڑی نیکی ہے، اور جو عاشقِ رسول اس کوشش میں خود قتل ہو گیا تو وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت اور اللہ کے دیدار کی نعمتیں ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۵۲ پر)

۵فتح الباری، کتاب المغازی، باب: کعب بن اشرف کا قتل

۶بحوالہ: العمدة فی اعداد العدة

۷فتح الباری، کتاب المغازی، باب: ابو رافع کا قتل

۸الصارم المسلول

عید الفطر کے مسنون اعمال

❶ [۱]حضرتِ عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے قبل غسل فرمایا کرتے تھے۔(مؤطا امام مالک)[۲]اور آپؓ عیدین کے موقع پر اچھے سے اچھا لباس زیبِ تن کرتے تھے۔(بیہقی)

❷ [۱]عیدین کے دن زیب و زینت اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔(فتح الباری از ابنِ رجب)[۲]عید کے دن زیب و زینت کرنا مستحب ہے مگر لباس مشروع (شریعت کے تابع)ہو۔(مدارج النبوۃ)[۳]اسی طرح عورتوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی زیب و زینت اور خوشبو غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر کریں۔

❸ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین عید کے موقع پر جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو کہتے:

"تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَ مِنکُم"

(فتح الباری از ابنِ حجر)

❹ عید کے دنوں میں اہلِ خانہ کے لیے ہر قسم کی فراوانی کریں تاکہ ان کا دل خوشگوار ہو جائے۔ عید کے دنوں میں اظہارِ مسرت دینی شعائر میں سے ہے۔(فتح الباری از ابنِ حجر)

❺ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ روزِ عید الفطر، عید گاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرماتے تھے، ان کی تعداد طاق ہوتی یعنی تین، پانچ، سات وغیرہ۔(بخاری و طبرانی)

❻ نبیٔ مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ نمازِ عید، عید گاہ (میدان) میں ادا فرماتے تھے۔(بخاری و مسلم)عید گاہ میں نمازِ عید ادا کرنا افضل ہے لیکن اگر کوئی عذر لاحق ہو تو مسجد میں بھی جائز ہے۔(ابو داؤد و مدارج النبوۃ)

❼ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ تک پاپیادہ (یعنی پیدل) تشریف لے جاتے۔(سننِ ابنِ ماجہ)عید گاہ کے لیے پیدل جانا سنت ہے اور بعض علمانے اسے مستحب کہا ہے۔

❽ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس راہ سے عید گاہ تشریف لے جاتے اس راہ سے واپس تشریف نہ لاتے، بلکہ دوسرے راستے سے تشریف لاتے۔(بخاری و ترمذی)

❾ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اتباعِ سنت کی شدت کے باعث طلوعِ شمس سے قبل گھر سے نہ نکلتے اور گھر سے نکلتے ہی عید گاہ تک تکبیر کہتے رہتے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد!

(ابو داؤد و زاد المعاد)

❿ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ادا کرنا فرض فرمایا اور حکم فرمایا کہ اسے عید کی نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔(بخاری)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلقَاعِدہ برِّصغیر
جماعت قاعدة الجهاد برّ صغير

بیان: AQS_11_004
تاریخ: ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ بمطابق ۱۸ مارچ ۲۰۲۵ء

حال میں پاکستان میں علمائے کرام کی شہادتیں

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد

حال ہی میں پاکستان میں علمائے کرام کی شہادتوں کا ایک نہایت گھناؤنا سلسلہ چل پڑا ہے، فإنّا لله وإنّا إليه راجعون۔ چند حضرات کو شہید کرنے کی ذمہ داری خوارجِ عصر کی بدنامِ زمانہ تنظیم 'داعش' نے قبول کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان گھناؤنے جرائم کی ذمہ داری داعش قبول کرے یا نہ کرے، ان جرائم کے پیچھے اصل کارفرما امریکہ سے لے کر امریکی فرنٹ لائن اتحادی پاکستان تک کی انٹیلی جنس ایجنسیاں ہیں۔ ان انٹیلی جنس ایجنسیوں کا مقصد اہلِ حق کی آواز کو دبانا اور کلمۂ حق بلند کرنے والے علمائے ربانیین اور داعیانِ دین کو ڈرا دھمکا کر خاموش کروانا ہے۔ سی آئی اے تا آئی ایس آئی کا مقصد ایسے جرائم کے ذریعے مجاہدینِ اسلام کو بدنام کرنا اور مجاہدین کے ذمے ایسی جرائم پیشہ کارروائیوں کا الزام لگا کر مجاہدین و علماء و داعیانِ دین کے بیچ اختلاف پیدا کرنا ہے۔ بے شک علمائے حق، انبیائے کرام کے وارث ہیں، جیسا کہ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہوا ہے۔ انبیاء کو شہید و قتل کرنا یہودِ نامسعود کی شیطانی و خسیس حرکت وصفت ہے۔ ماضی میں بھی یہی انٹیلی جنس ایجنسیاں کراچی تا کوئٹہ، مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ سے لے کر امارتِ اسلامیہ افغانستان کے جید و اعلیٰ درجے کے مسئول عالمِ دین شیخ عبد اللہ ذاکریؒ تک کی شہادت میں ملوث رہی ہیں۔

ہم حال ہی میں اکوڑہ خٹک تا کوئٹہ و پشین میں ہونے والے علمائے کرام کی شہادتوں جیسے جرائم کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ ہم ان علمائے کرام کے اہلِ خانہ، اقارب اور تلامذہ سے بھی تعزیت کرتے ہیں۔ اللهم أجرنا في مصيبتنا واخلف لنا خيرا منها!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على نبينا الأمين!

ادارہ السحاب، برِّصغیر
As-Sahab Media (The Subcontinent)

'عافیہ' تو آبروئے امت مرحوم ہے!

کاش ہم میں بھی کوئی 'پینگوئن' ہوتا

معین الدین شامی

کچھ مہینوں پہلے سنا تھا کہ عافیہ صدیقی کا خط آیا ہے، ان کی بہن کی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔

نامعلوم کتنے ہی خط اور کتنے ہی پیغام پہلے بھی آ چکے ہیں۔

کتنے ہی خط، کتنی خبریں اور رپورٹیں ہم پڑھ چکے ہیں، عافیہ صدیقی سے متعلق کتنی کہانیاں اور قصے ہم سن چکے ہیں۔ عافیہ صدیقی کی قید کی کہانیاں اور ماقبلِ قید کی زندگی کے بارے میں شاذ ہی کوئی ہو گا جو اَب نہ جانتا ہو۔

اس بار عافیہ کی بہن اور وکیل کے ذریعے جو پیغامات ملے اور جو رپورٹیں بین الاقوامی و قومی اخبارات و ویب صفحات پر چھپیں وہ ہماری عزت کا نوحہ تھیں۔ عافیہ صدیقی ہم میں سے کتنوں کی بہنوں سی ہیں، کتنوں کے لیے ان کا رتبہ ماں جیسا ہے اور من حیث المجموع امت کی بیٹی تو وہ ہیں ہی۔ عافیہ کی عمر، صحت، ذہنی حالت وغیرہ آج اس سب سے بہت مختلف ہے جو آج سے اکیس سال پہلے تھی۔ عافیہ کے دشمنوں کا رویہ لیکن عافیہ کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا دمِ اغوا تھا۔

ذرا سوچیے آپ کی ایک بچپن۔ستاون سال کی بہن ہو، یا آپ کی ماں کی عمر کی یا کچھ زیادہ یا کم کی 'عافیہ' ہو اور اب بھی وہی چیخ و پکار ان کے پنجرے سے بلند ہوتی ہو جو قریباً دو عشرے قبل تھی۔ ذہن ایسی بات سوچنے پر آمادہ نہیں ہوتا، زبان سے اس بات کو بیان کرنا مشکل ہے اور نوکِ قلم پر یہ بات نہیں آ پا رہی کہ عافیہ کے ساتھ اس عمر میں بھی کیا سلوک ہو رہا ہے؟

میرے پاس بھی کہنے کو کچھ نیا نہیں ہے۔ بس میں تو ایک 'عذر نامہ' لکھ رہا ہوں کہ اس رسوائی سے بچ سکوں کہ جب عافیہ صدیقی زندہ یا مردہ حالت میں ہمارے سامنے ہوں گی اور اس رسوائی سے بچ سکوں جو اصل رسوائی ہے کہ جب اولادِ آدمؑ روزِ قیامت جواب طلبی کے کٹہرے میں کھڑی ہو گی۔ آپ کی ماں کی، آپ کی بہن کی، صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی آبرو تار تار ہو رہی تھی اور ہر کوئی وہ کرب ناک اور سننے والے کے لیے ذلت آمیز چیخ و پکار سن رہا تھا، لیکن، کیا عجیب بے غیرتی کا عالَم تھا کہ زندگی کا پہیہ ہر ہر صورت میں ہر ہر طرح رواں تھا، کہیں کوئی فکر، کوئی دل میں پھانس یا ماتھے پر شکن نہ تھی۔

غزوۂ بنو قینقاع کے قصے، محمد بن قاسم کی غیرت، معتصم باللہ کی لشکر کشی یہ سب باتیں ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہم نے صرف سننے اور پڑھنے کے لیے رکھی ہوئی ہیں۔ میں کہوں یا نہ کہوں، میں ادب سے کہوں یا انداز جری ہو، کچھ بھی ہو، ہمارا عمل اجتماعی حیثیت میں ظاہر کر رہا ہے کہ ہم بے غیرتی کی بڑی سی گولی کو بغیر پانی کے نگل چکے ہیں۔

دنیا کے ہر چوراہے پر یہ خبر مشہور ہے کہ عافیہ کو فلاں فلاں زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، چھیاسی سال کی قید ان کے مقدر میں طاغوتِ زمانہ نے لکھ دی ہے، عافیہ کے دماغ کے کچھ گوشے مستقل بجھ چکے ہیں، وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہیں۔ عافیہ کو برہنہ کیا جاتا ہے، جی، میری ماں کو، میری بہن کو، میری بیٹی کو برہنہ کیا جاتا ہے، قرآنِ پاک پھر اس حافظۂ قرآن اور عالمۂ دین کے آگے، فرش پر بچھا جاتا ہے اور پھر عافیہ کو کہتے ہیں کہ تم اس پر قدم رکھو اور آگے بڑھو تب تمہیں تمہارے کپڑے لوٹائے جائیں گے۔

ہم زندہ ہیں؟ ہم غیرت مند ہیں؟ ہم انسان ہیں؟ ہم مسلمان ہیں؟

سنہ ۲۰۱۶ء میں، Discovery چینل کا ایک کلپ کسی نے واٹس ایپ پر بھیجا تھا۔ ایک نَر پینگوئن (Penguin) جو کہ ایک آبی پرندہ ہے، شکار کے بعد، ساحلِ سمندر پر واقع اپنے گھونسلے کو لوٹتا ہے۔ وہاں دیکھتا ہے کہ اس کے گھر پر ایک دوسرے نَر پینگوئن نے قبضہ کیا ہوا ہے اور اس کی مادہ کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ یہ پینگوئن، جسمانی طور پر کمزور ہے، لیکن ہم سے زیادہ غیرت مند ہے، بس برداشت کر کے، 'صبر شکر' نہیں کرتا، باہر کھڑا چیخ و پکار نہیں سنتا رہتا۔ یہ آگے بڑھتا ہے اور بے غیرت و غاصب پینگوئن پر حملہ کر دیتا ہے۔ لڑائی بہت شدید ہوتی ہے۔ حق کی خاطر لڑنے والا پینگوئن لہولہان ہو جاتا ہے اور زمین پر گر جاتا ہے۔ غاصب اپنی فتح کا اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فاتح ہوں، میں غالب ہوں، ہمت ہے تو اٹھ۔ اس میں ہمت کہاں ہے، خون بہہ رہا ہے، یہ کراہ رہا ہے، قوت جواب دے چکی ہے، لیکن دِل میں غیرت اب بھی موجود ہے، بلکہ صرف 'موجود' نہیں ہے 'موجزن' ہے۔ یہ اپنے جسم کی کل قوت جمع کرتا ہے اور پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ ہماری طرح خود سے اپنی بے غیرتی کی لاش پر فاتحہ نہیں پڑھتا۔ قدم ڈگمگا رہے ہیں، آنکھوں کے سامنے شاید اندھیرا ہو گا، لیکن دل میں غیرت کی روشنی ہے، اسی سے دیکھتا ہے۔ رگوں سے خون نچڑ چکا ہے، لیکن حمیت کی بجلی ابھی دوڑ رہی ہے۔ ایک بار پھر 'سپر پاور' پر حملہ آور ہوتا ہے اور 'سپر پاور' پینگوئن، اس جان کھوتے پینگوئن کا حملہ روکتے ہوئے اسے ایک ہی ہاتھ جڑتا ہے، اس پینگوئن کا کام تمام ہو جاتا ہے اور اب یہ کبھی نہ اٹھنے کے لیے گر جاتا ہے۔

یہ جانور ہے، حیوان ہے، اس کی کیا اوقات کہ اس کو یاد رکھا جائے، لیکن بڑی چیزوں سے نسبت 'بڑا' بناتی ہے، ہے تو وہ کتا ہی لیکن اصحابِ کہف کا ہے تو اس کا ذکر قرآن میں آ گیا۔ ہے تو یہ بھی ایک حقیر حیوان ہی لیکن 'غیرت' سے متصف ہوا تو عام لاکھوں پینگوئن کے غول سے جدا ہو کر خاص ہو گیا۔

کاش ہم میں بھی کوئی 'پینگوئن' ہوتا کہ اگر عافیہ کو بچا نہ سکتا تو کم از کم جان ہار کر ایمان و غیرت کا ثبوت دیتا...... کاش......

☆☆☆☆☆

عافیہ

قاضی ابو احمد

وہ ایک ذہین و فطین قابل خاندان کی غیر معمولی تعلیمی قابلیت رکھنے والی بیٹی تھی۔ اللہ رب العزت نے اسے سوچنے سمجھنے والا زرخیز ذہن عطا کیا تھا۔ دنیاوی تعلیمی ڈگریوں کے حصول میں بھی وہ وہاں تک پہنچی جہاں تک پہنچنے والے اکثر نہیں ہوتے اور جن اداروں میں اس نے پڑھا وہ بھی دنیا کے بہترین تعلیمی اداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ٹین ایج میں ہی تعلیم کے سلسلے میں امریکہ چلی گئی اور پھر کئی سال وہیں رہی اور وہیں اس نے اپنے رب کے حق کو پہچانا۔

اللہ رب العزت نے انسان کو سوچنے سمجھنے غور کرنے والا دل و ذہن عطا فرمایا ہے۔ جس انسان نے بھی اپنے دل و ذہن پر تعصب، مغربیت اور کِبر کی پٹی نہ باندھ رکھی ہو وہ خواہ مسلمان ہو یا عیسائی، یہودی ہو یا ہندو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والا یا لادین...... اگر وہ اللہ کا باغی نہ ہو اور اپنے رب سے بغاوت و سرکشی کی خو نہ رکھتا ہو، فطرت کے مشاہدات پر غور و فکر کرتا ہو تو ہو نہیں سکتا کہ وہ جلد یا بدیر اپنے رب کو نہ پائے۔ یہی سب عافیہ کے ساتھ بھی ہوا۔ ایک عافیہ وہ تھی جو اپنی تعلیمی کامیابیوں کی خوشی سے سرشار، یونیورسٹی کا گاؤن پہنے، بے فکری سے مسکراتی، چہرے سے خوشی چھلکاتی تصاویر میں نظر آتی ہے اور پھر ایک وہ عافیہ ہے جسے اس کے رفقاء ’دین دار‘ کہتے ہیں اور جو امریکہ ہی میں انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ اینڈ ٹیچنگ کی سربراہ ہے اور جو قیدیوں کے لیے دینی تربیت کا انتظام کرنے والے ایک ادارے سے بھی منسلک ہے...... اور پھر ایک وہ عافیہ ہے جو اُسی امریکہ کی قید میں ہے جس امریکہ میں اس نے اپنی زندگی کے بہترین سال گزارے ہیں اور جس امریکہ کے اداروں میں پڑھ کر وہ وہ بن گئی جس کی بنا پر اسی امریکہ نے اسے چھیاسی سال کی قید کی سزا سنائی۔ واضح رہے کہ عافیہ نے کسی دینی مدرسے سے تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی بلکہ وہ امریکہ کے معروف ادارے ایم آئی ٹی کی گریجویٹ تھیں۔

عافیہ کا جرم کیا ہے کہ جس کی بنا پر انہیں اپنے معصوم بچوں سمیت تیس مارچ ۲۰۰۳ء کو پاکستان کے شہر کراچی سے اس وقت اٹھایا گیا جب وہ اپنے گھر سے ایئرپورٹ جانے کے لیے نکلی تھیں اور پھر پورے پانچ سال تک ان کا کوئی اتا پتا کہیں نہ ملا؟ پاکستانی ایجنسیاں کہتی رہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے اور امریکی کہتے کہ ہم تو خود اس کی تلاش میں ہیں، ہم سے کیا پوچھتے ہو؟ دینے والوں نے گواہیاں بھی دے دیں کہ ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۸ء کے مابین ہم نے انہیں یہاں اور وہاں دیکھا۔ مگر حقیقت کیا ہے؟ یہ عافیہ کا رب ہی جانتا ہے۔ گمشدگی کے اس پورے عرصہ کے دوران اور اس کے بعد عافیہ کس کس کے ہاتھوں کب کب اور کس کس ظلم اور کس کس تکلیف سے گزری اور تاحال گزر رہی ہے، یہ وہی جانتی ہے یا پھر وہ السمیع، البصیر، الخبیر رب۔ جب ’اپنے‘ ہی بے غیرت ہو جائیں، جب وہی بیٹیاں بیچ کر ڈالر کمانے کو فخریہ بیان کرنے لگیں تو پھر غیروں سے کسی بھی ظلم کا کیا شکوہ!

جملۂ معترضہ کے طور پر ملاحظہ ہو کہ ’قوم‘ اور ’امت‘ کی بیٹی (یہ اپنی بیٹی کے ساتھ ہوا ہوتا تو ہم دیکھتے! قوم اور امت کو تو ویسے ہی کون اپنا تسلیم کرتا ہے!) کو ڈالروں کے عوض بیچنے والوں نے تو اپنی کتاب میں بھی ببانگِ دہل اس کارنامے کا اقرار کیا۔ مگر مغربی دجل دیکھیے، کہ دائرۃ المعارف وکی پیڈیا، جسے عموماً معلومات کے حصول کا قابلِ اعتماد ذریعہ ہم سمجھتے ہیں، تک عافیہ کی گرفتاری کی وہی داستان سناتا ہے جو مغربی میڈیا نے نشر کی۔ اللہ رب العزت تو فرماتے ہیں کہ ”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو“، مگر یہاں تو حال یہ ہے کہ مومنین مجاہدین پکار پکار کر ایک بات کہیں مگر جب تک اس بات کو مغربی آقاؤں کی سرپرستی میں چلنے والے جھوٹے، مکار اور دجالی میڈیا سے بیان نہ کیا جائے، ہمیں اس پہ یقین ہی نہیں آتا!

عافیہ کا واحد جرم، جو انہیں نشانِ عبرت بنا ڈالنے کے لیے کافی ہو گیا، وہ ان کا مسلمان ہونا اور اپنی مسلمانیت چھوڑنے پر راضی نہ ہونا تھا۔ فقط اللہ جانتا ہے کہ ان ظالموں نے ان کے ساتھ تو جو ظلم روا رکھا سو رکھا، ان کے بچوں کے ساتھ کیا کچھ کیا۔ ایک بچی کئی سال بعد گھر کے دروازے پر چھوڑی گئی، مگر چھوٹے بیٹے کا تاحال کچھ پتا نہیں۔ یہ کون سا جنیوا کنونشن ہے جس کے تحت قیدی، اور وہ بھی جسمانی طور پر انتہائی نحیف ایک عورت [گرفتاری (کے اعلان) کے وقت ان کا وزن محض اکتالیس کلو گرام تھا] کے اوپر گولی چلانا اور ملزم کے ساتھ ساتھ اس کی اولاد کو بھی سزا دینا جائز ہو جاتا ہے؟ یہ کون سے انسانی حقوق ہیں جن کے تحت کسی انسان کو جبری طور پر لاپتہ کر دیا جاتا ہے تآنکہ جیلوں سے رہا ہونے والی قیدی جیل میں اس کی موجودگی کی خبر دیں اور منظرِ عام پر جب یہ بات کئی ذرائع سے آ جائے تو پھر اس فرد پر، جو ذہنی طور پر پورے ہوش و حواس میں بھی نہ ہو اور جو جسمانی طور پر بھی (شدید زخمی ہونے کے باعث) مقدمہ کا سامنا نہ کر سکتا ہو، پر اپنے ہی طور پر فردِ جرم لگا کر، بلا ثبوت و شواہد ایسی سزا دی جائے کہ جس کو سن کر اہلِ کفر خود بھی اپنے نظام کی ناانصافی اور ظلم کی گواہی دے اٹھیں؟

آج ہم عافیہ کو یکسر بھلا بیٹھے ہیں۔ ہماری اپنی زندگیاں ہیں، ان زندگیوں کے اپنے مسائل، اپنی خوشیاں اپنے غم ہیں، کس کو فرصت ہے کہ ’پرائے‘ غم میں غلطاں رہے۔ ہم میں سے جو کوئی کبھی خیال آ جانے پر عافیہ کے لیے دو حرف دعا کے بھیج دیتا ہے وہ اپنے تئیں ان کا حق کئی گنا ادا کر دیتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عافیہ اور دنیا بھر کی نجانے کن کن جیلوں اور کن کن سیلوں

میں قید امت کی ان گنت عافیاؤں کا ہم پر بہت بڑا حق ہے۔ کئی سال قبل پاکستانی ایجنسیوں کی قید سے ایک بزرگ رہا ہوئے تو انہوں نے بتایا کہ جس خفیہ قید خانے میں انہیں رکھا گیا تھا وہاں سوات سے اٹھائی گئی کئی خواتین اپنے بچوں کے ساتھ موجود تھیں اور دن رات ان کی دل دہلا دینے والی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ ایک مسلمان عورت اگر کفار کی قید میں چلی جائے تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے جبکہ آج تو ہم میں سے کتنوں کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں، کوئی 'اپنوں' کی تو کوئی 'غیروں' کی قید میں ہیں، کیا ہم پر اب تک جہاد فرض عین نہیں ہوا ہے؟

عافیہ گویا زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں کہ:

میری خاموشیوں میں لرزاں ہے
میرے نالوں کی گمشدہ آواز

عافیہ اور اس جیسی کئی دیگر عافیاؤں کے یہ نالے سنے جائیں گے، اس دربار میں کہ جہاں سب کی شنوائی ہوتی ہے۔ پھر وہاں عافیہ بھی پیش ہوں گی، ان کی قیمت لگانے والے بھی اور ان کے خریدار بھی...... اور وہاں وہ پوری امت بھی پیش ہو گی جو اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش تماشائی بنی رہی، اور اس دن بادشاہت صرف اور صرف اللہ الواحد القھار کی ہو گی، پھر جس نے ذرہ برابر ظلم کیا ہو گا وہ بھی اپنا بدلہ پالے گا اور جس نے اطاعت و بندگی کی ہو گی وہ بھی اپنا حصہ پالے گا۔ پس اس دن کے آنے سے پہلے اپنی دائمی خوشیوں کا سامان کرنا ہی عقل مندی ہے۔ عقل مند وہ ہے، بمطابق حدیث، جو آخرت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری کر لے۔ اللہ ہمیں اس امت کے مظلومین کا حق ادا کرنے والا بنادے، آمین۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: کانٹے اور پھول

اس تلخ حقیقت اور اس کی ضروریات اور مطالبات کے درمیان اور قومی خواہشات کی بلند چوکھٹ کے درمیان، شاید انہوں نے اس پر بعد میں بات چیت بھی کی ہو گی جب وہ چلے گئے، اور انہوں نے اس آدمی کا اجازت نامہ پھاڑ دیا حالانکہ وہ اس پر شرمندگی بھی محسوس کر رہے تھے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

ماہِ رمضان المبارک میں پیش آنے والے تاریخی واقعات

ماہِ رمضان نفس اور اسکی شہوات پر قابو پانے کا مہینہ ہے، مسلمان اور مومنین ماہِ رمضان میں صبر تقویٰ اور زائد نفلی اعمال کا مجسم نمونہ بنے ہوتے ہیں اسی طرح ماہِ رمضان عظیم فتوحات اور بڑی کامیابیوں کا مہینہ بھی ہے۔

- رمضان المبارک ۲ ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا جس میں مشرکین کی شان و شوکت ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کا علم بلند رہا۔
- رمضان المبارک ۸ ھ میں فتحِ مکہ ہوا اور لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوئے۔
- رمضان المبارک ۹۱ ھ میں مسلمانوں نے طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر رحمۃ اللہ علیہم کی قیادت میں اندلس فتح کیا۔ اندلس کی فتح مسلمانوں کا یورپ میں پہلی بار داخلہ تھا۔
- رمضان المبارک ۲۲۳ ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کی قیادت میں فتح عموریہ حاصل ہوئی۔
- رمضان المبارک ۴۶۳ ھ میں معرکہ ملازکرد پیش آیا جس میں الپ ارسلان رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلمان بازنطینیوں پر فتح یاب ہوئے۔
- رمضان المبارک ہی میں مسلمان تاتاریوں پر دو دفعہ غالب آئے اور رمضان میں ہی فتح سندھ اور ہند ہوئی جزیرہ قبرص اور اسکے علاوہ بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں۔

اکیسویں صدی میں

جمہوری نظام تباہی کے دہانے پر!

(سورۃ العصر کی روشنی میں)

حضرت الامیر، مولانا عاصم عمر شہید رحمۃ اللہ علیہ

کامیاب گروہ: حزب الرحمٰن

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: ایک اللہ کا ہو جانا، اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا عزم۔ جینا بھی اسی کے لیے مرنا بھی اسی کے لیے، الحب للہ والبغض للہ، اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اللہ کی شریعت کے دشمنوں سے دشمنی۔

﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾: اللہ کے اوامر و نواہی کی پابندی، ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون اور گناہوں اور اللہ کی بغاوت کے کاموں میں کوئی تعاون نہیں۔

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾: روئے زمین سے شیطانی نظاموں کو ختم کر کے سارا کا سارا نظام صرف اللہ کے لیے، پورے قرآن کے نفاذ کے ذریعہ، انسانیت کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر آخرت کے اجالوں کی طرف لے آنے کی کُڑھن۔

﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾: یعنی پورے دین کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم والی دعوت پر استقامت سے ڈٹ جانا، کٹ جانا، مٹ جانا، اور باطل سے ڈر کر اس دعوت میں کوئی کمی یا زیادتی نہ کرنا بلکہ اسی پر اپنا سب کچھ قربان کر دینا۔

کامیابی کے درجات

پھر کامیاب لوگ بھی درجات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ چنانچہ کون کتنا کامیاب رہا، کس نے کتنا اپنے آپ کو اس خسارے سے بچالیا، کس نے کتنا اپنے سرمایے کو نفع بخش بنالیا، قرآن کریم اسے بیان کر رہا ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰٓىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○﴾ (سورۃ الواقعۃ: ۱۰-۱۲)

"اور جو سبقت لے جانے والے ہیں، وہ تو ہیں ہی سبقت لے جانے والے۔ وہی ہیں جو اللہ کے خاص مقرب بندے ہیں۔ وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے۔"

﴿وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ○﴾ (سورۃ الواقعۃ: ۲۷)

"اور وہ جو دائیں ہاتھ والے ہوں گے، کیا کہنا ان دائیں ہاتھ والوں کا۔"

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○﴾ (سورۃ التوبۃ: ۱۰۰)

"اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اس سے راضی ہیں، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔"

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○﴾ (سورۃ الصف: ۱۰)

"اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کے بارے میں نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے دے۔"

﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○﴾ (سورۃ الصف: ۱۱)

"(وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہترین بات ہے، اگر تم سمجھو۔"

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○﴾ (سورۃ الصف: ۱۲)

"اس کے نتیجے میں اللہ تمہاری خاطر تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور ایسے عمدہ گھروں میں بسائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں واقع ہوں گے۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔"

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ (سورۃ التوبۃ: ۱۱۱)

”واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے بدلے خرید لیے ہیں کہ جنت انہی کی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور انجیل میں بھی لی ہے، اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ لہٰذا اپنے اس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کر لیا ہے۔ اور یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔“

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝﴾ (سورۃ الجاثیۃ: ۳۰)

”سو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا، یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔“

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ (سورۃ الحدید: ۱۲)

”اس دن جب تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں خوشخبری ہے ان باغات کی جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ یہی ہے جو بڑی زبردست کامیابی ہے۔“

﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝﴾ (سورۃ الحدید: ۱۳)

”اس دن جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ: ذرا ہمارا انتظار کر لو کہ تمہارے نور سے ہم بھی کچھ روشنی حاصل کر لیں۔ (ان سے) کہا جائے گا کہ: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر نور تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا جس کے اندر کی طرف رحمت ہو گی، اور باہر کی طرف عذاب ہو گا۔“

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾ (سورۃ النساء: ۱۳)

”یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، اسے ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ۔[1]

”بیشک جنت میں سو درجات ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیا ہے، دو درجوں کا آپس کا فاصلہ اتنا ہے جتنا کہ آسمان و زمین کا فاصلہ، سو جب تم اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا بیچ و بیچ اور سب سے اونچا حصہ ہے، اس کے اوپر رحمٰن کا عرش نظر آتا ہے، اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔“

انسانوں کا بنایا ہوا جمہوری نظام: خسارہ ہی خسارہ

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

قرآنِ کریم کی اس چھوٹی سی سورت کی چھوٹی سی آیت ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ دانشورانِ مغرب، ہند کے برہمنوں اور جدید جاہلی نظام (جمہوریت) کی قیادتوں کے لیے آج بھی چیلنج ہے کہ اے انسانیت کی قیادت کے دعویدارو! جیسے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر پہلی اقوام باوجود ترقی کے خسارے میں رہیں، تمہارا حال بھی ایسا ہی ہے، تم بھی گھاٹے میں جا رہے ہو، کامیابی کے سارے دعوے جھوٹے ہیں، تم نے دنیا سے اللہ کی شریعت کا خاتمہ کر کے اپنا گھڑا ہوا نظام مسلط

[1] صحيح البخاري (۳۵۴/۹) باب درجات المجاهدين في سبيل الله

کیا، تم نے محمد ﷺ کے لائے طرزِ زندگی کے مقابلے اپنا جاہلی طرزِ زندگی دنیا پر تھوپا، انجام کیا ہوا؟

آج تم خود دیکھ رہے ہو، ترقی یافتہ یورپ و امریکہ غربت و بے روزگاری، فساد و بدامنی اور معاشرتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، زندگی میں چین و سکون نام کی کوئی چیز نہیں، اخلاص و وفا، ایثار و قربانی اور محبت و ہمدردی مغربی طرزِ زندگی میں کوئی چیز ہی نہیں، صرف ایسا معاشرہ ہے جو مفادات کی بنیاد پر کھڑا ہے، کوئی کسی کا نہیں، صرف مفادات کی دنیا ہے۔ بیوی اس وقت تک بیوی ہے جب تک شوہر کے ساتھ مفاد ہے، اور شوہر اس وقت تک شوہر ہے جب تک بیوی کے لیے قابلِ فائدہ ہے، حالت یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر پر بھروسہ نہیں کر سکتی، ماں اپنے بیٹے پر اعتماد نہیں کر سکتی، بہن کو اپنے بھائی پر بھروسہ نہیں۔

حالانکہ مغربی فلسفہ حیات کا دعویٰ ہی صرف اور صرف دنیا سنوارنا تھا، دانشورانِ مغرب نے مذہب سے بغاوت کراتے وقت اپنی اقوام کے سامنے نعرہ ہی یہ لگایا تھا کہ ان کے پاس جو فلسفۂ حیات ہے، جو طرزِ زندگی وہ لے کر آئے ہیں، اس پر چل کر قومیں ترقی و خوشحالی کی ایسی شاہراہ پر گامزن ہوں گی کہ بدحالی کبھی قریب بھی نہیں آئے گی، ان کے نظامِ حیات کو قبول کر لینے کے بعد قوموں کا معیارِ زندگی ایسا بلند ہو گا کہ ہر طرف رزق کی فراوانی، آسودگی و فارغ البالی ہو گی، ایک ایسا معاشرہ جہاں امن و سکون، عزت و احترام اور رشتوں کا تقدس ہو گا، غرض دنیا ہی جنت بن جائے گی۔

لیکن بغیر خالق کی مانے اس کی مخلوق کیوں کر چین و سکون حاصل کر سکتی ہے؟ اس کے دین کو بطورِ طرزِ زندگی اختیار کیے بغیر دنیا کا امن و سکون، آسودگی و خوشحالی کیونکر نصیب ہو سکتی ہے؟ جس شریعت کو رحمۃ للعالمین ﷺ کو دے کر بھیجا گیا، اسے نافذ کیے بغیر رحمتیں کہاں قریب آسکتی ہیں؟

دانشورانِ ہند اور برہمن مفکرین کیا اس حقیقت کا انکار کر پائیں گے کہ ہند میں اسلام کا نور پھیلنے سے پہلے ہندوستانی معاشرہ کیسی بدتر اخلاقی حالت میں مبتلا تھا؟ ہندو معاشرہ طبقاتی تفریق، چھوت چھات اور عورت کو منحوس سمجھنے کے عقیدے پر قائم تھا۔ انتہا یہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے ساتھ ہی اس کی بیوی کو شوہر کے ساتھ ہی 'چِتا' میں جلا کر 'ستی' کر دیا جاتا تھا۔

عام آدمی کو جاگیرداروں، مہاراجوں اور برہمن پنڈتوں نے اپنا غلام بنایا ہوا تھا، چنانچہ نسل در نسل غلامی ان کا مقدر تھی۔ انہیں اتنے حقوق بھی حاصل نہ تھے جتنے آج کتے بلی کو دیے جاتے ہیں۔

یہ تو رحمۃ للعالمین ﷺ کا رحمت والا دین ہی تھا جس نے ہندو معاشرے کو انسانیت سکھائی، انسانی احترام اور ذات پات کی قباحت سمجھائی، برہمن ہند کو یہ سمجھایا کہ انسان کا خون جانور کے خون سے کہیں زیادہ مقدس ہے، اسے یہ راز بتایا کہ عورت ذات بھی مرد ہی کی طرح اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے، اور اس کے شوہر کی موت میں اس کا کوئی قصور نہیں کہ اسے زندہ ہی 'ستی' کر دیا جائے۔

ہندوستان سے شریعت کے خاتمے کے بعد یعنی انگریزوں کے دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد سے اب تک یہ معاشرہ کس ناگفتہ بہ حالت کا شکار ہے۔ زناکاری، رشوت، سود، کمزوروں پر ظلم اور طبقاتی تفریق (اس بار اگرچہ اس کا رنگ مختلف ہے) جیسی اخلاقی بیماریاں ناسور کی طرح اس معاشرے کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔

عقل حیران ہے کہ اس جدید دور میں بھی جبکہ ہندو خود کو دنیا کی بڑی طاقت کے طور پر پیش کر رہے ہیں، اسی دنیا میں ایسی قوم بھی بستی ہے جو اپنے ہاتھوں سے تراشے پتھروں کو اپنا معبود بنا لیتی ہے، خود ہی اپنے پرانے معبودوں کے اختیارات کبھی کم کبھی زیادہ کرتی رہتی ہے، کبھی ایک کے اختیارات دوسرے کو، کبھی تین کے اختیارات ایک میں ضم کر دیتی ہے، سائنس و ٹیکنالوجی، علم و ادب میں ترقی کے دعویدار مفکرینِ ہند کیا کبھی یہ غور کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ آخر اس جدید دور میں بھی جہالت کی وہی پرانی تاریکیاں؟ ٹی وی پر بڑے بڑے نعرے لگانے والے دانشور کیا کبھی اپنے اندر جھانکنے کی ہمت نہیں کر پاتے یا آج بھی ان کی سوچوں پر برہمن کی علمی اجارہ داری کے وہی پرانے پہرے ہیں جو اسلام کے آنے سے پہلے تھے؟ کیا ہندو عقیدے کے بارے میں بات کرنا آج بھی اتنا ہی جرم ہے جتنا کہ تاریک دور میں ہوا کرتا تھا؟

یہ سوال کسی سطح پر تو اٹھایا جانا چاہیے!

ان تمام خرابیوں اور برائیوں کی ایک ہی وجہ ہے۔ اپنے خالقِ حقیقی کو نہ پہچاننا، اس کے نازل کردہ نظام کو چھوڑ بیٹھنا۔

سو مشرق و مغرب اللہ سے بغاوت کا انجام آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، تاریخِ انسانیت میں کیا انسان کبھی اتنا ذلیل ہوا تھا جتنا تمہارے اس جدید نظام کے ذریعہ ہوا، تم نے انسانوں سے ان کا امن و سکون چھین لیا، تم نے ان کو معبودِ حقیقی سے کاٹ کر اپنے ہاتھوں سے تراشے معبودوں کا بندہ بنا دیا، کہیں جمہوریت کے نام پر، کہیں آمریت کے نام پر، کہیں اشتراکیت کے ذریعہ تو کہیں سرمایہ داری کے ذریعہ۔

تم نے انسانی معاشرے کو اس جنگل سے بھی بدتر بنا دیا جہاں کے حیوان بھی شرم و حیاء اور اخلاقیات کا خیال کرتے ہیں، تم نے خاندانوں کو توڑ کر قطع رحمی کے ایسے بیج بوئے کہ گھر بار اور خاندان تباہ و برباد ہو گئے، اولاد والدین کو بھول گئی اور والدین اولاد کو، مغرب کے بازاروں میں ماؤں کی ممتا کا جنازہ نکال دیا گیا، بھائی بہنوں کے مقدس رشتے پامال کرنے والے تم ہی ہو، یہ تم

ہی ہو جنہوں نے بے شرمی و بے حیائی اور عصمت فروشی کو ایسی صنعت بنایا کہ تمہاری بعض ریاستیں اسی عصمت فروشی کے رزق پر پلتی ہیں، تمہاری بے حیائی دیکھ کر عزت دار گھرانے حیاء و پاکدامنی پر نوحہ کناں ہیں، ہنگاموں سے بھرے ان شہروں میں شرم و حیاء دربدری کا ایسا شکار ہوئی کہ اسے کہیں جائے پناہ نہیں ملتی، تم اپنی عوام کو حقِ حکمرانی کیا دیتے تم نے تو اپنی عوام کی ایک بڑی تعداد کو ان کے باپ کے شجرے سے ہی محروم کر دیا۔ پھر بھی بڑے زعم سے کہتے ہو کہ تمہارا لائف اسٹائل ہی انسانیت کو عزت دے سکتا ہے!

تمہاری ذخیرہ اندوزی کی حرص نے بازاروں سے ایمانداری چھین کر بے ایمانی و دھوکہ دہی کا ایسا بازار گرم کیا کہ نہ کسی وعدے کا پاس رہا نہ زبان کا اعتبار، رزق کے نام پر تم نے ساری انسانیت کو سودی نظام میں مبتلا کیا اور روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کا محتاج بنا دیا۔ تمہارے اس سودی نظام کے نتیجے میں انسانوں کو سوائے مہنگائی و کساد بازاری اور ملاوٹ و جعل سازی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

اس میں شک نہیں کہ مغرب نے اپنی مشینوں کے سہارے آسمان کو چھوتی بلند و بالا عمارتیں تعمیر کر لیں، لیکن ان کے مکین اخلاقی پستیوں کے ایسے گڑھے میں جا گرے جہاں انسانیت شرمندہ ہو رہی ہے، یہ صحیح ہے کہ جدید ٹیکنالوجی نے مغرب کے باسیوں کی زندگی کو اتنا تیز کر دیا کہ ایک نوجوان اپنے کمرے میں بیٹھ کر ساری دنیا سے باخبر رہتا ہے، لیکن یہ انسانیت سے اتنا دور ہوا کہ ساتھ والے کمرے میں موجود بوڑھی ماں کی اس کو خبر نہیں ہوتی جو ایک گلاس پانی کے انتظار میں سوکھ رہی ہوتی ہے، صنعتی ترقی اور تیز تر معیشت نے نوجوانوں کی مزدوری میں اضافہ ضرور کر دیا، لیکن سودی نظام میں جکڑا نوجوان بینکوں اور ملٹی نیشنلز کے سودی قرضے اتارتے اتارتے بوڑھا ہو گیا، زراعت کے جدید جینیاتی مصنوعی طریقوں سے کسانوں کی پیداوار کو تیز تو کر دیا لیکن اس زمین پر اللہ کا نظام نہ ہونے کے سبب زمین نے اپنی پیداوار کی غذائیت کو روک لیا، اب زمینیں ہیں کہ انتہائی مشکل سے بہت تھوڑا اگاتی ہیں اور وہ بھی ایسا کہ فائدہ بہت کم، غذائیت سے خالی جھاڑ جھنکاڑ ہی اگاتی ہیں، دیکھنے میں ہر چیز پہلے سے بڑی اور موٹی ہے لیکن اس میں غذا نام کی کوئی چیز نہیں۔

غرض یہ کہ تمہاری تہذیب و فلسفہ، تمہاری اقدار و طرزِ زندگی اور تمہارا تعلیمی و مالی نظام، جمہوری و پارلیمانی نظام سب ناکام ہو چکے ہیں، وقت نے ثابت کر دیا کہ دانشورانِ مغرب نے جو آشیانہ بنایا تھا، وہ شاخِ نازک پر ہی تھا، اور آسمان گواہ ہے کہ تمہاری تہذیب اپنے ہی خنجر سے آپ ہی خودکشی کر رہی ہے، جس تہذیب کو تم نے لیپا پوتی کے ذریعہ خوبصورت بنا کر دنیا کو دھوکہ دیا تھا، آج اس کی لاش میں کیڑے ابل رہے ہیں جس کی سڑاند یہاں سات سمندر پار بھی شرفاء کی زندگی کا سکون برباد کر رہی ہے۔

تم انسانوں کو مثالی اخلاقیات اور اعلیٰ اقدار کیا سکھاتے، حقیقت یہ ہے کہ تم نے ابلیس کے خیال، اس کی امیدوں اور تمناؤں ہی کی تکمیل کی اور ابھی بھی تم اسی کے مشن کی تکمیل کے لیے دنیا کو جنگوں کی بھٹی میں جھونکے ہوئے ہو کہ شاید تم مزید انسانی خون بہا کر عالمی اقتدار کی ہاری بازی جیت سکو اور اس طرح ہاتھ سے نکلتی دنیا کی قیادت تمہارے ہاتھ میں باقی رہ جائے۔

لیکن اب یہ مجنون کا خواب ہی ہے۔

ع — ایں خیال است و محال است و جنوں

تمہاری عقل و دانش، تمہاری سائنسی ترقی، تمہارا شب و روز دنیا بھر میں دوڑے پھرنا، یہ سب ابلیس کے گمان ہی کو سچا ثابت کرنے کے لیے ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ۝﴾
(سورۃ سبأ:۲۰)

”اور واقعی ان لوگوں کے بارے میں ابلیس نے اپنا خیال درست پایا، چنانچہ یہ اسی کے پیچھے چل پڑے، سوائے اس گروہ کے جو مومن تھا۔“

اللہ کی کتاب آج اکیسویں صدی میں بھی تمہیں جھنجھوڑ رہی ہے کہ اے جدید جاہلی تہذیب کے اسیر انسان! تو خسارے میں ہے۔ تیرا ہر لمحہ خسارے و گھاٹے میں گزر رہا ہے، تو سمندر کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو یا خلاؤں میں مارا مارا پھر تا رہے، تیری مادی ترقی، صنعت و ٹیکنالوجی، جگمگاتے شہر، ان سب کے باوجود، تیرا ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل، اور ہر ہر سانس تیرے گھاٹے و نقصان میں اضافہ ہی کر رہا ہے، اگرچہ تیری کوتاہ نظری ہے اور تو یہ سمجھ رہا ہے کہ جدید جاہلیت ترقی کر رہی ہے، تو تخلیقِ کائنات کے رازوں کی کھوج میں آگے جا رہا ہے، تیری معیشت ترقی کر رہی ہے، زرِ مبادلہ کے ذخائر میں اضافہ ہو رہا ہے، یہ سب نظروں کا دھوکہ و خود فریبی ہے۔

سیکولرازم اور جمہوریت: ایک خطرناک کفر

واضح رہے کہ جمہوریت (خواہ مشرقی ہو یا مغربی یا اسے اسلامی کہا جائے) کی اصل اور روح سیکولر سیاست ہی ہے۔ اس کے اندر داخل ہو کر کسی کا یہ گمان کرنا کہ وہ اسلامی سیاست کرتا ہے، یا جمہوریت کو اسلامی اور سیکولر میں تقسیم کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ شراب کو اسلامی اور سیکولر میں تقسیم کرنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید جاہلی دور دجل و فریب کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ جمہوریت کے نام پر سیکولرزم کے جس کفر میں دنیا کو مبتلا کیا گیا ہے، اس کی گہرائی و گیرائی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ابلیس نے اپنی ساری زندگی کا تجربہ اس میں نچوڑ کر

رکھ دیا ہے۔ اس نے اپنے دشمن انسان کو اس بار ایسے کفر میں مبتلا کیا ہے جس کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔

یہ کفر ماضی کے کفر سے بہت مختلف ہے۔ ماضی میں جتنے کفر رہے، ان میں کفر کی صورتیں یہ رہیں کہ انسان اپنے سابقہ دین سے نکل کر کسی نئے دین میں داخل ہوتا تو اسے کافر کہا جاتا تھا۔

لیکن اس جدید کفر (جمہوریت) میں نہ اللہ کا صریح انکار کرایا جاتا ہے، نہ اللہ کے بھیجے نبی ﷺ کا۔ نہ ان پر نازل کی گئی کتاب کا اور نہ قیامت و آخرت کا، یہ ایسا کفر ہے جو نہ تو نماز و روزے پر پابندی لگاتا ہے اور نہ ہی ان کے فرض ہونے کا عقیدہ رکھنے دیتا ہے، بلکہ جمہوری ریاست میں نماز فرض کے بجائے مباح کے درجے میں ہوتی ہے جو چاہے پڑھے جو نہ چاہے نہ پڑھے، یہ نیا دین اپنے مخاطب سے اس کے پرانے مذہب سے انکار کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ کسی مذہب کی رسومات و عبادات سے بغاوت کرائی جاتی ہے، بلکہ انہیں ادا کرتے ہوئے اجتماعی زندگی ایک نئے دین و نظام (سیکولرزم اور جمہوریت) کے مطابق گزارنے کا پابند کیا جاتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے 'تکملہ فتح الملہم' میں اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "مكانة السياسة في الدين:
>
> قد اشتهر عن النصارىٰ أنهم يفرقون بين الدين والسياسة بقولهم: "دع ما لقيصر لقيصر وما لله لله"، فكان الدين لا علاقة لها بالسياسة، والسياسة لا ربط لها بالدين، وإن هذة النظرية الباطلة قد تدرجت إلى أبشع صورًا في العصور الإخيرة باسم "العلمانية" أو "سيكولرازم" التي أخرجت الدين من سائر شؤون الحياة حتىٰ قضت عليها بتاتًا۔
>
> وإن هذه النظرية في الحقيقة نوع من أنواع الإشراك بالله، من حيث أنها لا تعترف للدين بسلطة في الحيوة المادية، فكأن الإلٰه ليس إلٰها إلا في العبادات والرسوم، وأما الأمور الدنيوية فلها الٰه أخر، والعياذ بالله"۔
>
> "نصاریٰ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ دین اور سیاست کو الگ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: "جو کچھ بادشاہ کا ہے بادشاہ کو دے دو اور جو اللہ کا ہے وہ اللہ کو دے دو"۔ گویا دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں اور سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ باطل عقیدہ آخری ادوار میں سیکولرازم کے نام سے اپنی بدترین صورت تک جا پہنچا جس نے دین کو زندگی کے تمام شعبوں سے نکال دیا، یہاں تک کہ اسے مٹا کر رکھ دیا۔
>
> **یہ نظریہ در حقیقت شرک کی ایک قسم ہے** کیونکہ یہ مادی زندگی میں دین کی حاکمیت (Authority) کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ نظریہ دین کے صرف اتنے کردار کو تسلیم کرتا ہے جو انسان اپنی تنہائی یا اپنے عبادت خانے میں ادا کرتا ہے۔ **سو گویا دین صرف عبادات اور رسومات کا نام ہے۔ رہے دنیاوی معاملات تو ان کے لیے کوئی اور معبود ہے۔ (العیاذ باللہ)**"

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ چونکہ اس جدید کفر میں یہ صورت نہیں تھی کہ اپنے سابقہ دین کو چھڑوایا جاتا، اس لیے بہت سے لوگ اس دینِ کفر کا کفر ہی نہیں سمجھ پائے، انہوں نے اپنے سابقہ دین پر ہوتے ہوئے ایک نئے دین کو بھی اپنی زندگی میں داخل کر لیا۔ عیسائی اس بات پر ہی خوش رہے کہ وہ اتوار کے دن گرجا چلے جاتے ہیں کیونکہ اس نئے مذہب نے ان کی اس عبادت پر پابندی نہیں لگائی تھی۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی کہ ساری اجتماعی زندگی یہود کے بنائے سیکولر نظام کے تحت گزارتے رہیں۔

اسی طرح مسلمانوں کو اس دین میں داخل کرنے کے لیے پہلے خلافت توڑی گئی، تاکہ قرآن کا نظام ان کی زندگی سے نکل جائے اور وہ صرف انفرادی عبادات کو دین سمجھ بیٹھیں، اس کے لیے مستشرقین اور نام نہاد ترقی پسندوں اور روشن خیالوں کے ذریعہ مسلسل محنت کی گئی، شرعی اصطلاحات کے معنیٰ و مفہوم کو تبدیل کیا گیا، مثلاً دین کی آزادی فقہاء کے نزدیک کچھ ہے لیکن فقہائے افرنگ و مفتیانِ قادیان نے اسے نئے معنیٰ پہنائے، اسی طرح دار الحرب و دار الاسلام کا تصور، شریعت کی حاکمیت و موالات کا تصور، اللہ کے قانون سے فیصلہ اور غیر اللہ کے قانون سے فیصلہ، ان سب کو وہ معنیٰ پہنائے گئے کہ فقہاء کی عبارات قدیم کتب ہی میں دب کر رہ گئیں۔

مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے مشرقی جمہوریت نے شرعی اصطلاحات کو انتہائی مکاری کے ساتھ استعمال کیا اور جہاں جمہوریت کا کفر ظاہر ہونے کا خطرہ تھا وہاں نئی اصطلاحات وضع کی گئیں۔[۲]

مسلمانوں کو چند رسومات اور مخصوص عبادات کی اجازت دی گئی جبکہ ان کی اجتماعی زندگی سے نہ صرف دین کو نکال دیا گیا، بلکہ اجتماعی معاملات کے لیے جدید کفر کے بانیوں نے اس کے لیے الگ دین ایجاد کر دیا تھا جس کے مطابق زندگی گزارنا اقوام متحدہ کے تمام رکن ممالک کے شہریوں پر لازمی قرار دے دیا گیا۔ کفری قوانین و طرزِ زندگی کو باقاعدہ قانون و نظام کے طور

[۲] بندے نے اس کی تفصیل اپنی کتاب 'ادیان کی جنگ؛ دینِ اسلام یا دینِ جمہوریت' میں تحریر کی ہیں۔

پر مسلمانوں پر مسلط کیا گیا، احساس اس وجہ سے نہیں ہو سکا کہ انہیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج پر جانے کی اجازت تھی، اور اسلامی نام رکھنے پر بھی پابندی نہیں لگائی گئی تھی، کیونکہ ان کے نزدیک کفر تو اسلام سے مکمل نکل جانے کا نام تھا، کوئی نیا مذہب اختیار کر لینے کے بعد نام تبدیل کرنے کو کفر سمجھا جاتا تھا، جبکہ جدید دور کا کفران سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کر رہا تھا۔

لیکن جمہوریت یا سیکولر نظام میں ذرا بھی غور کیا جائے تو واضح نظر آتا ہے کہ یہ خود ایک دین ہے۔ اس کے اپنے حلال و حرام ہیں۔ اس کے اپنے فرائض و واجبات ہیں۔ اس میں دوستی و دشمنی کا اپنا معیار ہے۔ یہی سب تو ایک دین میں ہوا کرتا ہے۔

لیکن اس کا دجل و فریب دیکھیے، اس نے دعویٰ ہی یہ کیا کہ جمہوریت یا سیکولرزم میں کسی مذہب کی پابندی یا کسی مذہب پر پابندی نہیں ہوتی، اس میں ہر مذہب آزاد ہوتا ہے، حالانکہ غور کیا جائے تو یہ اس نظام کا دجل ہے جو پر فریب اصطلاحات کو مکاری سے استعمال کرتے ہوئے مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔

کفر خواہ کسی بھی قسم کا ہو وہ خود ایک دین ہوتا ہے، اگرچہ اسے لادینیت، سیکولرزم، اباحیت، کیمونزم یا اسلامی جمہوریت ہی کا نام کیوں نہ دیا گیا ہو۔

اس بارے میں علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت جامع بات بیان فرمائی ہے:

> ”کفر صرف ایک سلبی چیز نہیں ہے، بلکہ ایک ایجابی اور مثبت چیز بھی ہے۔ وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک مذہبی اور اخلاقی نظام اور مستقل دین ہے۔ جن میں اپنے فرائض و واجبات بھی ہیں اور مکروہات و محرمات بھی، اس لیے یہ دونوں دین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں کا وفادار نہیں ہو سکتا۔“[۳]

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادیوں اور ان کے مرتدین حامیوں کے خلاف جہاد اہلِ غزہ کی نصرت کے لیے اولین واجب ہے۔ یہ کفر کے سرپنچ، باطل کے سرغنہ اور امت کے دشمن ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ امریکہ ہمارے اہلِ فلسطین کے خلاف صہیونی جرائم کا سب سے بڑا پشتی بان ہے! یہ اتنی واضح بات ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں پر مسلط مرتد حکومتیں اور ان کے خائن حکمران جو امت کی آزمائش کا سبب ہیں، اس قضیے میں ان کا قبیح کردار ہر کسی نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ یہ سب صرف یہود و نصاریٰ کی حمایت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی ہی اقوام کے دشمن ہیں اور اپنے معاشرے میں ابھرنے والی ہر خیر کو کچل دیتے ہیں اور ہر غیرت مند، جوان کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے، کو قتل کر دیتے ہیں۔ انہی کی آشیر باد سے یہودی زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اہلِ فلسطین پر دست درازی کر کے جسے چاہتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں۔

اے ساری دنیا کے مسلمان بھائیو! یقیناً یہ نصرت و جہاد کا وقت ہے۔ ہمارے اہلِ غزہ اور باقی ممالک کے مسلمانوں کی نصرت آپ پر واجب ہے۔ ان کی رسوائی کے بارے میں آپ کے پاس کوئی عذر نہیں ہے اور انہیں آپ کی نصرت کی اشد حاجت ہے۔ مال، افراد، اسلحے اور دعاوں سے ان کی نصرت کیجیے! اپنی قیمتی جانیں اور خون اللہ کے راستے میں بہا کر ان کی مدد کیجیے! ساری دنیا میں یہود اور امریکہ کے مفادات کو ہدف بنا کر مظلوم مسلمانوں کا ساتھ دیجیے!

شیخ اَبو دُجانہ اَلپاشا شہید رحمہ اللہ



---

[۳] دینِ حق اور علمائے ربانی؛ صفحہ ۲۶

تیرِ عناد ......

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

زندگی نہایت تیز رفتار ہو چکی ہے۔ لمحہ لمحہ بدلتے مناظر۔ دنیا سکڑ کر ایک ہتھیلی میں سما گئی۔ خبروں کی یلغار امڈی چلی آتی ہے۔ ایسے میں رمضان کی مبارک ساعتیں ہم مسلمانوں کے لیے تعمیرِ ذات، کردار سازی، حقیقی زندگی کے لیے بھرپور تیاری کے مواقع، رحمتیں، برکات لیے ہوئے ہیں۔ خود کفالت کا ایک نظام فرد فرد کے لیے۔ شعورِ ذات کو قرآن کی کامل و اکمل رہنمائی میں جلا بخشو۔ اپنی چوکیداری، تربیت، تزکیے، ضبطِ نفس کے نظام کو خود مضبوط کرو۔ اپنے محاسب خود بنو۔ اللہ نے جو نور پھونکا تھا روزِ ازل، سال بھر میں دھندلا گیا تھا، ان مبارک ساعتوں میں اسے روشن تر کر دو تاکہ اس مقام کو پا سکو کہ: 'مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے!' عبادات نتیجہ خیز ہوں۔ نماز، تراویح، سجدہ ریزیاں، بدی اور فحش سے روکنے والی ہوں۔ روزہ، للّٰہیت، خدا خوفی، ہدایت کا سامان بنے۔ قریب و مجیب رب کا قرب عطا کرنے والا ہو۔ صابر، ثابت قدم، ضبطِ نفس والا بنا دے۔ ایک روزہ ہمارا ہے اور ایک رمضان میں بھی بے رحم دنیا اور بے حس امت کے بیچ اہلِ غزہ کا ہے! امداد بند ہے۔ جھوٹے معاہدے کرنے والی طاقتوں کے ہاتھوں۔ ایک پلیٹ پانچ افراد کو لقمہ لقمہ دے! مرغی کا پر خریدنے کی استطاعت سے لے کر صاف پانی، ہسپتال، دوا سے محروم! غم اور خوف تو یہ ہے کہ فلسطینیوں کے ترجمان ابوعبیدہ نے سرکاری طور پر ہم (امت) پر فردِ جرم اللہ کے حضور عائد کر دی ہے:

> ''تمہارے فلسطینی بھائیوں نے تو اپنے روزے پاک کر لیے پاکیزہ ترین خون کی دھاروں سے۔ رب تعالیٰ کی خاطر! محمد ﷺ کے راستے پر چلتے ہوئے، اللہ کے بدترین ظالم دشمنوں کے ہاتھوں۔ تم کم از کم ان کی پشت پناہی سے ہی اپنے روزے پاک تو کر لو! اقوامِ عالم میں تمہارا کوئی ٹھکانہ نہ ہو گا، جب تک ارضِ مقدس قابض قوتوں سے پاک نہ ہو جائے۔ تم اپنے رب سے کیا کہو گے؟ دشمن کا ہاتھ تمہارے گھروں، تمہارے گریبانوں تک بھی پہنچے گا۔ خدانخواستہ!''

۸ مارچ، یومِ نسواں پر بھی عورت کے حقوق، تحفظ کے حوالے سے ہمارے ہاں پروگرام، مظاہرے ہوئے۔ غزہ کی مظلوم ترین عورت کا کوئی ذکر نہ تھا! برابری کا مطالبہ تو زبردست رہا، مگر چونکہ یہ مغرب کی استحصال زدہ، کھلونا بنی عورت کے ایجنڈوں کے تحت ہے، لہٰذا تصور ہی جدا ہے۔ وہاں واقعتاً عورت مظلوم ہے۔ جہاں امریکی صدر، سپر پاور کا سپر لیڈر عورت کے استحصال کے بعد اسے خاموش رہنے کی قیمت ادا کر دے۔ عدالت بھی مجبوراً صدر کے مقام کے پیشِ نظر احتساب نہ کرے تو عجب کیا! البتہ ہماری تو کہانی ہی جدا ہے۔ ۸ مارچ رمضان میں آ کر ہمیں یاد دلاتا ہے کہ نزولِ قرآن کی اس رات میں جو کچھ عطا ہوا، اس میں قرآن، رسالت، امت، ایک مکمل نظامِ زندگی انصاف اور توازن کے ساتھ! ہمارا سب سے بڑا اعزاز تو یہ ہے کہ امت کا آغاز ہماری ماں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا! بے مثل، عظیم الشان سیرت و کردار کی حامل۔ رہتی دنیا تک کی عورت کے لیے ہر روپ میں قائدانہ شان کی حامل!

خاتم الانبیاء کے شایانِ شان بیوی، رئیسہ خاتون مگر اسلام کی خاطر شعب ابی طالب کی سختیوں میں صبر و استقامت کا پیکر، تربیت اولاد کا حاصل اعلیٰ سیرت بیٹیاں رضی اللہ عنہن! نبی ﷺ کو سکینت بخش، خدمت کی پیکر، رفاقت دینے پر اللہ سے جبریل امین کے ذریعے پر سکون جنت کے محل کی بشارت پانے والی، یہ وہ نمونۂ عمل ہے جس سے امت کی عورت مالا مال ہے! جسے فلسطین کا بہادر ترجمان ابوعبیدہ خراجِ تحسین پیش کرتا ہے یومِ نسواں پر:

> ''اس دن اگر کسی کا خصوصی ذکر ہو تو وہ فلسطینی عورت ہے، جس نے اس نفاق زدہ دنیا میں بے پناہ جدوجہد کی ہے۔ ہر فلسطینی عورت میری ماں اور میری بہن ہے۔ اللہ کی طرف سے سلامتیاں نازل ہوں ان پر جنہوں نے دنیا کے چہرے سے (جھوٹ، فریب کا) نقاب الٹ دیا جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ عورت کے حقوق کی محافظ ہے۔ رحمتیں نازل ہوں ان ۱۳ ہزار غزہ کی پاکیزہ روحوں پر جو مجرم صہیونی ہاتھوں نے وحشیانہ طریقے سے شہید کیں۔''

امریکہ اس وقت ٹرمپ، مسک کی گھمن گھیریوں میں ہے۔ سبھی حیران، پریشان، ویران ہوئے بیٹھے ہیں۔ ہر قدم تنقید اور احتجاج کی لہر اٹھتی ہے۔ غزہ پر نظریں گاڑے، سرکاری اکاؤنٹ پر جو ناشائستہ، بے رحمانہ ''ٹرمپ غزہ'' ویڈیو چلی، اس نے صدر کی اوقات بتا دی۔ اسے نہایت غیر مہذب (ایمنسٹی انٹرنیشنل کی جنرل سیکرٹری نے) قرار دیا۔ یہ تبصرہ بھی رہا کہ ٹرمپ میں انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں، وہ صرف پیسہ اور سرمایہ کاری جانتا ہے۔ امت کے لیے یہ امر نہایت افسوس ناک اور باعث الم ہے کہ وہ سعودی عرب جا رہا ہے ایک کھرب ڈالر کی ڈیل کے لیے۔ امت مسلمہ کا یہ پیسہ امریکی معیشت سنوارے گا۔ بشمول امریکی فوجی ساز و سامان کی خریداری کے۔ غزہ کی تعمیر نو، یا رمضان میں سحری افطاری سے محرومی دور کرنے کے لیے نہ سیاسی دباؤ، نہ معاشی پشت پناہی!

یاد رہے کہ ۳ مارچ کو خلافت عثمانیہ ٹوٹے ۱۰۰ برس گزر گئے! اب ہم نام نہاد جمہوریتوں اور بادشاہتوں کے گرداب میں ہیں۔

'لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!'

مسک کے بھانڈے بھی پھوٹ رہے ہیں اور امریکیوں کی صلواتیں سنتا جی بھر کر بد دعائیں سمیٹ رہا ہے۔ سیکریٹری سٹیٹ سے الجھاؤ کی کہانیاں مزید ہیں جن کا بظاہر ٹرمپ انکاری ہے! امریکی پیسہ بچانے کا ذمہ دار، ہر ادارے سے نوکریاں اور مراعات و امداد ختم کرنے والا ایلون مسک کیا یہ ذمہ داری مفت نبھا رہا ہے؟ امریکہ کی محبت میں؟ سب کمیٹی نے بھانڈا پھوڑا:

> ”مسک اپنے معاوضے میں ۸ ملین ڈالر روزانہ کے حساب سے وصول کر رہا ہے۔ دوسری طرف امریکی سوشل سیکورٹی ہمارے عوام کو کیا دیتی ہے؟ ۶۵ ڈالر! ضرورت ہے ان ارب پتیوں کی جیبیں ٹٹولنے کی جو ٹیکس ادا نہیں کرتے!“

یہ جمہوریت ہے، جو ہمارے ہاں بھی کچھ مختلف نہیں! ایلون ٹرمپ کے گلے کی چھچھوندر بن گیا ہے نہ اگلے بن پڑے نہ نگلے۔ اس نے بہت سے جھوٹ ٹرمپ کے منہ میں ڈلوائے، مثلاً یہ کہ بہت سے لوگ ۱۰۰ سال سے زائد عمر میں سوشل سیکورٹی وصول کر رہے ہیں حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ بھی کہا کہ ۱۵۰ سال سے زائد عمر والوں کو بھی ادائیگی ہو رہی ہے۔ حالانکہ ۱۱۵ سال عمر پر خود بخود بند ہو جاتی ہے۔ بچت مہم میں سائنسی اداروں کی، یونیورسٹیوں کی امداد بند، کٹوتیاں کر دی گئیں۔ ہر طرف احتجاج کا سماں اور مظاہرے ہمہ نوع جاری ہیں۔ سائنس اور تعلیم امریکہ کی پہچان اور معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور یہ احمقوں کا ٹولہ اسی کے درپے ہے!

خود ایلون کو معاشی تھپیڑے بھی پڑ رہے ہیں اور مقبولیت، نفرت اور ضد میں بدل رہی ہے۔ جرمنی میں ٹیسلا گاڑی خریدنی لوگوں نے بند کر دی، سفید فام جنونیوں کی حمایت ایلون کی طرف سے ہونے پر۔ مسک کا ذاتی پروگرام مریخ پر انسانوں کو بھیجنے والے راکٹ کا، آٹھویں مرتبہ تباہ ہو گیا۔ (مہینہ پہلے ہی ساتویں مرتبہ جل گرا تھا خلا میں!) امریکہ کی سائنس پر کٹوتیاں کرنے والے کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ مسک کا ایکس بھی دنیا کے بیشتر حصوں میں اچانک معطل ہو گیا!

پاکستان امریکہ کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس کے ۱۳ فوجیوں کو ہلاک کرنے والا افغان پکڑوا کر۔ ٹرمپ نے زبانی کلامی شکریہ تو ہمارا ادا کر دیا، مگر ری پبلکن ہاتھی نے فوراً ہی کھانے کے دانتوں کا وار بھی کر دیا۔ ہمارے (اور افغانوں کے لیے بھی) وارننگ جاری کر دی گئی کہ ٹرمپ سفری بندش ہم پر عائد کرنے کو ہے، لہٰذا امریکہ کا سفر اختیار نہ کریں۔ اپنے شہریوں کو امریکہ نے پاکستان میں متنبہ کر دیا کہ سیکورٹی خطرات ہیں۔ ساتھ ہی ایک پاکستانی سفیر کو امریکی ویزا / مکمل کاغذات، سفارتی استثناء کے باوجود لاس اینجلس ایر پورٹ سے ہی نکال باہر کیا۔ اب ہم حیرت زدہ منہ تک رہے ہیں۔ ہم نے ۲۰ سال امریکی جنگ میں ملکی معیشت تباہ کی۔ تعلیم اور حیا، اخلاقیات کا جنازہ نکال ڈالا، ان کی خوشنودی کے لیے۔ لاکھ جانوں کی قربانی دی۔ ساری خدمتیں سمیٹ کر......

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں یہ بے ننگ و نام ہیں!

افغانستان کو ان کی خوشنودی کرتے دشمن بنا لیا۔ قبائلی علاقوں سے آپریشنز کر کے اپنی آبادی خوار و زار کی۔ خندہ پیشانی سے ۴۰۰ ڈرون حملے برداشت کیے۔ امریکی نکل گئے، ہمیں ایک دلدل میں چھوڑ گئے۔ قربانیاں جاری ہیں۔ اللہ ہمیں اس آزمائش سے نجات دے۔ دوست دشمن کی پہچان عطا فرمائے۔ عالمِ اسلام میں قائدانہ کردار ادا کرنے کی توفیق عطا ہو (آمین)۔ جو امریکہ، یورپ، کینیڈا کانہ بنا کیا وہ ہم گندم گوں مسکین پاکستانیوں کا بنے گا؟ 'وہ آقا ہے دوست نہیں' بہ زبانِ ایوب خان!

انہی محلوں سے برسنے لگے اب تیر عناد
جن کے دروازوں پہ تم جاتے تھے سائل بن کر

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

بقیہ: صہیونیت کی الف، ب، ت......

> ”میں عربوں کی جگہ ہوتا تو کبھی اسرائیل کو تسلیم نہ کرتا۔ یہ ایک فطری ردِ عمل ہے۔ ہم بھلے سمجھتے ہیں کہ اس سرزمین کا وعدہ ہم سے خدا نے کیا تھا۔
>
> مگر عربوں کو ہمارے عقیدے سے کیا واسطہ؟ ہمارا خدا ان کا تو نہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بنی اسرائیل سے ہیں مگر یہ بھی دو ہزار برس پرانی بات ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہم صدیوں سے تعصب کا مسلسل شکار ہیں۔ ہمیں ہٹلر کے نسل کش کیمپوں سے گزرنا پڑا۔ مگر یہ عربوں کا تو دوش نہیں۔ وہ تو بس یہی جانتے ہیں کہ ہم آئے اور ان کا ملک چوری کر لیا۔ وہ آخر کیوں اسے قبول کریں؟“

[یہ مضمون ایک معاصر اخبار میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

معرکۂ روح وبدن

انجینئر زین علی

اللہ نے انسان کی آزمائش کے سامان سے دنیا کو خوب آراستہ کر رکھا ہے۔ اسی سے ہی تو دنیا میں عاشقوں کی رونق ہے۔ کس کے عاشق؟ عاشق عدل کے، عاشق حق کے، عاشق دین مبین کے، عاشق میدان کار زار کے، عاشق شہادت کے، عاشق صحابہ و اہل بیت کے، عاشق اپنے نبی ﷺ کے، عاشق اپنے خالق ومالک کے۔

اگر دنیا میں خیر وشر متصادم نہ ہوں دنیا کتنی پھیکی ہو۔ خود عیاش وہوس پرستوں کو بھی اگر کوئی روک ٹوک نہ ہوتی حق کے غلبہ اور ان کی خرمستیاں ختم ہونے کا خیال نہ ہوتا تو محض یونہی کب تک یکسانیت میں مگن رہ پاتے؟ یہ فطری ہے کہ بلآخر اکتاہٹ ہوتی۔ جبکہ دوسری جانب اللہ کے مطیع وفرمانبر دار بندے ہر آن اسی فکر میں رہتے ہیں کہ کیسے اس کی رضا حاصل ہو جو اکیلا بندگی کے لائق ہے۔ مشتاق رہتے کہ کب اپنا وعدہ پورا کر سکیں اس کے عشق میں کٹ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اللہ اللہ، لقاء اللہ کے تصور سے ہی مسرور رہتے ہیں جب تک زندگی میں ایسے حالات نہ آئیں جو دنیا کو حیران کر دیں کہ کیا یہ گوشت پوست کے انسان ہی ہیں ایسا صبر، ایسی جرأت، ایسی وارفتگی! اور پھر شہادت کے سوا موت انہیں کہاں گوارہ ہے؟ انہیں شرم محسوس ہوتی ہے اپنے رب سے ملاقات میں کیا لے کر جائیں گے، ایسا تو کوئی مادی تحفہ نہیں ہو سکتا جو اس خالق کل کے شان شایان ہو پس اپنی یہی پونجی لٹا کر اس کے دیدار کی منتظر رہتے ہیں۔

تاریخ ایسے عاشقوں کی روداد سے پر ہے لیکن جن کی عقل پر پردے ہوں وہ پھر ان عاشقوں کو جان سے مار دینے کی دھمکی دیتے نظر آتے ہیں۔ ہے نا لطیفہ! جو ہر آن ہر گھڑی تمنائے شہادت میں مچلتے ہیں، جو رات رات بھر تہجد کے سجدوں میں اپنے رب کی ملاقات کی فریاد کرتے ہوں ان کو موت کی دھمکی۔ شہادت کی اس تڑپ کو مادی دنیا کے فرعون کیا سمجھ سکتے ہیں، انہیں تو اللہ کے وہ بندے بھی سمجھ نہیں سکتے جو صنف مخالف کے کسی فرد کی تمنا میں مشغولِ دعا رہتے ہیں۔ یہ عشق ان عشق کے دعوے داروں کی سمجھ سے بھی بالاتر ہے جو مجازی میں الجھے بیٹھے ہیں، حجر وفراق کی ابجد سے بھی واقف نہیں کیونکہ ہجرت وجہاد میں جو لذت پنہاں ہے وہ ہر ایک کا مقدر کیونکر ہو۔ یہ پاکیزہ جذبات تو رب کا وہ انعام ہے جسے ایک پاکیزہ دل میں موجزن کیا جاتا ہے۔ ان جزبات کی شدت واللہ کیا پر لطف ہوتی ہے جب آنکھوں سے اشک بھی رشک کرتے ہوئے بہتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے ایک بودی عقل والا ٹینکوں کی گھن گرج اور طیاروں کی چنگھاڑوں سے ڈرانے کی آرزو لیے دھمکیاں دیتا بے بس لاچار شخص جو بظاہر امریکہ کی مسند اقتدار پر آ بیٹھا ہو، جو خود اس خوف میں مبتلا ہو کہ قتل نہ ہو جائے، جو جب اللہ کے شیروں کی للکار سنتا ہو تو کانپ جاتا ہو، اپنے قلعہ نما محلات سکیورٹی کے تہہ در تہہ دائروں میں چھپا لرزتا قابل ترس فرعون کبھی نہیں سمجھ سکتا کہ جان سے بے پرواہ ہونا کسے کہتے ہیں۔ سیف اللہ و حیدرِ کرار کے روحانی بیٹوں کی تمنائے شہادت کو سمجھنا ایسے پست دماغوں سے بہت بالا معاملہ ہے۔

فی زمانہ کفر وگمراہی کے شکار بندوں کا قبلہ امریکہ ہے اور دنیا میں برائی اور شیطانیت کی غلاظت اس منبع غلاظت سے ہی پھیلتی ہے۔ دنیا میں شیطانی منصوبہ سازوں کی آماجگاہ، گویا تمام ابلیسی ریاستوں کی گندگی ملا کر اس غلیظ ریاست امریکہ کو نہ پہنچے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ اب ایک مرتبہ پھر سے اس غلاظت کے مرکز کو شیطان کا ایسا پجاری میسر آیا ہے جس کی رگ رگ میں نجس زہر بھرا ہوا ہے۔ تاریخ میں جس طرح رینالڈ ملعون (جسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے قسم کھا کر اپنے دست مبارک سے جہنم رسید کیا) کا نام نفرت اور کراہت سے درج ہے اسی طرح موجودہ امریکی صدر ٹرمپ بھی کمینگی اور ذلالت کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ اپنے پچھلے دور حکومت میں بھی القدس کو صہیونیوں کا دارالحکومت قرار دلوانے کی سعی کرتا رہا۔ ڈیل آف سینچری کے نام سے صہیونیوں کو غدار مسلم حکمرانوں سے تسلیم کرانے کی سازش بنتا رہا۔ اب کی بار بھی اس ملعون نے اپنی ذہنیت نہیں بدلی بلکہ غزہ کو پاکیزہ خو مومنین سے خالی کروا کر بے حیائی اور عریانی کا مرکز بنانے کی بڑ ہانک رہا ہے۔ جہنم جس کے انتظار میں دہک رہی ہے، جنت نظیر اور انبیاء کی مبارک سرزمین القدس کو جہنم بنانے کی دھمکیاں دیتا منہ سے کف اڑاتا پھرتا ہے۔

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ○(سورۃ آل عمران: ۱۷۳)

’’وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر لشکر جمع کر لئے ہیں۔ تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان

میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔"

دوسری طرف منظر ہی الگ ہے ہزاروں شہادتوں کے بعد اتنے زخمیوں کے بعد، جن کی تعداد شہداء سے بہت زیادہ ہے، اپنے گھر اور بستیوں کو کھنڈر بنے دیکھ کر بھی مجال ہے جو اہل غزہ کے جوانمردوں حتیٰ بوڑھوں یا بچوں اور عورتوں میں سے کسی پر کوئی کمزور لمحہ بھی کسی نے دیکھا ہو۔ اللہ اللہ ایسا ایمان! اتنا قابل رشک انسان کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسی استقامت، ایسا حوصلہ، ایسا عزم، یہ کیا ہے آخر جس کی گرہیں عقل کھولنے سے عاجز ہے۔ کیوں نہ ہو یہ کیفیت یہ منظر بالکل ایسا ہی جچتا ہے ان پر جن کی شان میں قرآن کہتا ہے:

الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (سورۃ إسراء:۱)

"مسجدِ اقصیٰ جس کے گردونواح کو ہم نے بابرکت بنادیا ہے تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔"

بلاشبہ یہی ہے برکت۔ اہل غزہ کا قرآن سے بے مثال تعلق پوری دنیا نے دیکھا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ایمان کا مشاہدہ بھی سب نے کر لیا۔ اللہ کی نشانیاں کھلی آنکھوں سے سب دیکھ رہے ہیں۔ یہ کیسی جنگ ہے جہاں دنیا بھر کے سامان اکٹھے کر کے ٹوٹ پڑنے والا دشمن ان بے سروسامانی کے عالم میں موجود محصور جانبازوں سے شکست کھا جاتا ہے۔ اردگرد کی مسلم ریاستیں جن سے منہ موڑے کھڑی ہیں کائنات کا خالق ان کے ساتھ ہے۔

مجاہدین کا ولولہ دیدنی ہے۔ اہل غزہ کو کہا جارہا ہے تمہیں ان سے بہت بہتر اور عالیشان رہائش دی جائے گی۔ ان کا جواب ہے:

عیش و عشرت سے غرض ہم کو نہیں
ہم فداکاروں کی دنیا اور ہے

ان کو کہا جارہا ہے بصورت دیگر تم پر ہولناک جنگ مسلط کی جائے گی۔ وہ جواباً کہہ رہے ہیں:

بزدلوں کو جراتوں کی کیا خبر
تیر و تلواروں کی دنیا اور ہے

کچھ لوگ اپنائیت کے پردے میں مصلحت کے مشورے دے رہے ہیں۔ عاشقوں کا جواب ان کے لیے بھی ایمان افروز ہے:

مصلحت کے نام سے واقف نہیں
ہم تو راہرو ہیں راہ اخلاص کے
جان و دل صدقے میں ہم تو دے چکے
ہم وفاداروں کی دنیا اور ہے

مال و منصب کا کوئی لالچ ان پر کارگر نہیں۔ کوئی رنج و غم انہیں توڑ نہیں سکتا وہ کہتے ہیں:

مال و منصب کی تمنا چھوڑ کر
لذت غم سے شناسا ہو چکے
ہم کو غم میں ہی سلگنے دیجیے
درد کے ماروں کی دنیا اور ہے

ٹرمپ کہتا ہے یہ الگ ہی لوگ ہیں، انکا دشمن حیران ہے کیونکہ:

گل بدن لوگوں نے یہ سوچا نہ تھا
کن چٹانوں سے وہ ٹکرانے چلے
شیش محلوں کے مکینوں سے کہو
پتھروں غاروں کی دنیا اور ہے

عیاش مسلم حکمران ٹرمپ کے منصوبوں کو روکنے کی قوت نہیں رکھتے وہ جانتا ہے اسی لیے ایسے غداروں کو بھی اہل حق کا پیغام یہی ہے:

ترجماں ہو تم تو ہر طاغوت کے
آب شر (شراب) سے ہے تمہاری دل لگی
وہ جو پیتے ہیں سدا وحدت (توحید) کی مئے
ایسے میخواروں کی دنیا اور ہے

شہادت کے متلاشی جانبازوں کا حتمی اعلان ہے:

حسن فانی کی فسوں کاری کہاں
جلوہ جاناں کی سرشاری کہاں
ظلمتوں کی آرزو کچھ اور ہے
حق کے نظاروں کی دنیا اور ہے

بے مثل و بے نظیر سرزمین القدس کے عوام کا سب کچھ لٹا کر بھی کہنا ہے:

لذت آہ و فغاں کیا چیز ہے
راحت اشک سحر گاہی ہے کیا
نیند کے ماروں کو انور کیا خبر
شب کے بیداروں کی دنیا اور ہے

دوسری طرف بیس سال طالع آزمائی کے بعد ٹرمپ ملعون خدا امست طالبان کو بھی اپنے اندر کی نجاست سے مجبور ہو کر غنیمت واپس کرنے کا کہہ رہا ہے۔ لیکن درویشوں کا جواب بڑا سادہ سا اور مختصر ہے:

یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سرخرو کر کے

☆☆☆☆☆

صہیونیت کی الف ب ت......

وسعت اللہ خان

صہیونیت انیسویں صدی میں یورپ میں پروان چڑھنے والا قوم پرست نسلی برتری کا نظریہ ہے۔ جس طرح نازیت، فسطائیت، سیٹلر کلونیل ازم کے نظریات یورپ کی مخصوص فضا اور حالات کی کٹھالی میں ڈھلے۔ اگرچہ سیکولر ازم، لبرل ازم اور کمیونزم بھی مغرب میں ہی پروان چڑھے مگر ان تینوں نظریات کی پیدائشی وجوہات، دائرۂ اثر اور عروج و زوال ایک الگ موضوع ہے۔

فی الحال ہم قوم پرستانہ نسل پرستی کے بطن سے جنم لینے والے نظریات پر ہی توجہ مرکوز رکھتے ہوئے دیکھیں گے کہ نازیت، فسطائیت و صہیونیت کتنے یکساں اور باہم کس قدر معاون ہیں۔

نسل پرستانہ نظریات کی مماثلتی بحث آگے بڑھانے سے پہلے ایک یہودی نژاد اسرائیلی اسکالر ایلان پاپے کا تعارف کرانا مناسب رہے گا۔ آپ برطانیہ کی یونیورسٹی آف ایگزیٹر میں مرکز برائے مطالعۂ فلسطین کے سربراہ ہیں۔ عبرانی، عربی اور انگریزی پر یکساں دسترس ہے۔ مشرقِ وسطی کی سیاست اور اسرائیل فلسطین تنازع کے موضوع پر پندرہ سے زائد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ دنیا بھر میں توسیعی لیکچرز اور جامع گفتگو کے لیے بلائے جاتے ہیں۔ فلسطین نواز علمی حلقوں میں ان کی بات دھیان سے سنی جاتی ہے۔

گزشتہ دنوں ایلان پاپے نے الجزیرہ کو ایک تفصیلی انٹرویو میں کہا کہ حالانکہ وہ مغرب کی تاریخی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں لیکن اس بار الیکٹرانک، پرنٹ اور سوشل میڈیا پر نسل کشی کی براہِ راست تصویر کشی کے باوجود اس سانحے سے مغرب کی مکمل بے تعلقی نے خود مجھے بھی بھونچکا کر دیا۔

ایلان پاپے کے مطابق:

> ”اس وقت غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک نئی طرز کی صہیونیت ہے۔ یہ پرانے فیشن کی صہیونیت کے مقابلے میں زیادہ متشدد، انتہا پسند اور بے صبر ہے اور وہ سب کچھ مختصر وقت میں لپکنا چاہتی ہے جسے حاصل کرنے کے لیے اس کے پرکھے بتدریج پیش قدمی کی حکمتِ عملی پر یقین رکھتے تھے۔
>
> صہیونیوں کی موجودہ نسل انیس سو اڑتالیس کے ایجنڈے کی برق رفتار تکمیل کے لیے بگٹٹ دوڑ رہی ہے اور اپنے تئیں ایک عظیم یہودی سلطنت بننے کی ہوس میں اردگرد کے علاقوں کو سرعت سے ہتھیانے کی عجلت میں ہے۔ فوری ہدف یہ ہے کہ آس پاس والوں کے دل میں اپنی بے مہار طاقت کا اتنا خوف بٹھا دو کہ اگلے کم از کم پچاس برس تک کوئی بھی علاقائی ریاست اسرائیلی توسیع پسند ایجنڈے کی جانب آنکھ بھر کے نہ دیکھ سکے۔

مگر تاریخ کے تھوڑے بہت مطالعے سے میں نے جو کچھ سیکھا ہے۔ اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہم صہیونیت کے بھڑکتے چراغ کی آخری لو دیکھ رہے ہیں۔ جیسے کسی قریب المرگ شخص کا چہرہ موت سے ذرا پہلے ہشاش بشاش سا لگتا ہے۔ صہیونیت کی نئی شکل اسی کیفیت سے گزر رہی ہے۔

کسی بھی نوآبادیاتی طاقت یا سلطنت کے ناگزیر زوال کی ایک روشن نشانی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آخری دور میں نہایت سخت گیر رویوں اور اندھا دھند خواہشات کے جال میں پھنس جاتی ہے اور پھر یہ ناقابلِ برداشت بوجھ سنبھالتے سنبھالتے آخری بار گڑ پڑتی ہے۔ یہ آخری مرحلہ کتنا قلیل یا طویل ہوتا ہے اس کا دار و مدار معروضی حالات کی رفتار پر ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اختتام بیس دن میں ہو جائے گا یا بیس برس میں۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سفر زوال کی شاہراہ پر ہی ہو رہا ہے۔

اس وقت اسرائیل اور صہیونیت کا مستقبل امریکہ کے اندرونی و بیرونی مستقبل سے نتھی ہے۔ میں اسے اچھی خبر کہوں گا کہ حالات کا سنبھالنا ٹرمپ جیسے مسخروں اور ایلن مسک جیسے پاگلوں کے بس سے باہر ہے۔ ایسے لوگ امریکی معیشت اور اس کے بین الاقوامی اثر و رسوخ کے تیے پانچے میں اہم کردار ادا کرتے ہوئے زوال کے تاریخی عمل کو تیز تر کر دیتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں مشرقِ وسطی کے معاملات میں امریکی کردار اور اثر و نفوذ سکڑتا جائے گا۔ اس کی پہلی قیمت اسرائیل کی نئی صہیونی سوچ اور پالیسیاں ادا کریں گی۔ مگر یہ ایک طویل المیعاد نتیجہ ہے۔ فی الحال اگلے دو تین برس خطے میں خوب دھاچوکڑی مچے گی اور اختتامی باب خاصا برا ہو گا۔

یہ مسئلہ محض غزہ میں جنگ بندی وغیرہ وغیرہ سے حل ہونے والا نہیں۔ ابھی تو ہمیں یورپ میں فسطائیت اور نیو نازی تحریک کا احیا دیکھنا ہے۔

عربوں کی اخلاقی و مادی کرپشن کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ یہ صورتِ حال مختصر مدت کے لیے اسرائیلی صہیونیت کے لیے بھی سازگار ہے۔ جوں جوں موجودہ طاقت ور شمالی کرے (مغربی دنیا) کے مقابلے میں جنوبی کرہ زور پکڑتا جائے گا طاقت کے توازن کا ناگزیر بدلاؤ اسرائیل کو اور تنہا کرتا چلا جائے گا۔ ابھی جنوبی کرے میں پنپنے والی مزاحمتی تحریک منظم نہیں ہے مگر بدلتے وقت کے تاریخی تقاضے اسے منظم ہونے پر مجبور کر دیں گے۔

اب آپ یہ دیکھیے کہ مغرب میں یہود دشمنی کی احیائی تحریک اور نئے صہیونی اس پر متفق ہیں کہ یہودیوں کے لیے مغرب میں رہتے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ وہ فلسطین میں آباد ہو جائیں۔ دونوں تحریکیں اسلاموفوبیا کے معاملے پر بھی ہمقدم و ہم آواز ہیں۔ یورپ میں انتہا پسندوں کی ریلیوں میں اب نازی پرچموں کے ساتھ ساتھ اسرائیلی جھنڈے بھی نظر آتے ہیں۔

ہالوکاسٹ کے نازی تجربے کی روشنی میں بیس برس پہلے تک ایسے کسی نازی صہیونی اتحاد کے بارے میں سوچنا بھی پاگل پن سمجھا جاتا۔ انھی تضادات کے سبب امریکہ میں آباد یہودیوں کی موجودہ جوان نسل اسرائیل کے حق میں اب وہ جذبات نہیں رکھتی جو ان کے والدین کے تھے یا ہیں۔ آخر ٹرمپ اور ایلون مسک کے بعد بھی تو کوئی آئے گا۔ ضروری تو نہیں کہ وہ اسرائیل کی صہیونیت پرست توسیع پسندانہ پالیسیوں کا ہی حامی ہو۔

اسرائیلی نظامِ تعلیم اپنے بچوں کو پہلے سے زیادہ نسل پرست، انسان دشمن اور انتہا پسند بنا رہا ہے اور اس نظامِ تعلیم سے پیدا ہونے والی نسل اپنے اور دوسروں کے لیے یکساں خطرناک ہے۔ محض یہ فرض کرنے سے اب کام نہیں چلے گا کہ اس نسل کا دل سوشل میڈیا پر تیرتی نسل کشی کی وڈیوز دیکھ کے پسیج جائے گا۔ اسرائیل چونکہ نفرت کی بنیاد پر بنا ہے لہٰذا اس کا نفرتی ڈی این اے ایک سے دوسری نسل میں کامیابی سے منتقل کیا گیا ہے اور اسی سبب ریاست کا زوال پذیر ہونا ایک لازمی حقیقت ہے۔‘‘

آپ نے ایلان پاپے کے خیالات پڑھے۔ آگے ہم اس پر دھیان دیں گے کہ کیسے ایک نظریہ اچھے بھلے انسانوں کو غیر انسان یا نیم انسان بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ سب ہم صہیونی نظریے کے ارتقاء اور عالمی و علاقائی سیاست پر اس کے اثرات کے عدسے سے دیکھیں گے۔

صہیونی نظریے کی ابتدا

ہر یہودی صہیونی نہیں ہوتا اور ہر صہیونی یہودی نہیں ہوتا۔ مثلاً سابق امریکی صدر جو بائیڈن کرسچن ہیں لیکن خود کو صہیونی کہتے ہیں۔ نوم چومسکی یہودی ہیں مگر صہیونی نہیں۔

جب انیسویں صدی کے آخری عشروں میں روس میں یہود مخالف جذبات نے پر تشدد صورت اختیار کر لی اور (۱۸۸۱ء–۱۸۸۴ء) زار شاہی کی سرپرستی میں یہود کشی اور امتیازی قوانین کے سبب ہزاروں یہودی خاندانوں کو جان و مال کی امان کے لیے روس چھوڑ کر مشرقی اور وسطی یورپ میں پناہ لینا پڑی تو یہودی دانش مندوں میں مستقبل کے بارے میں یہ سنجیدہ بحث چھڑ گئی کہ بحیثیت قوم یورپ میں ہمارا کیا مستقبل ہے؟

ایک طبقے کا خیال تھا کہ ہمیں الگ تھلگ رہنے کی عادت ترک کرنے، فرسودہ رہن سہن چھوڑنے، چند لگے بندھے پیشوں کے دائرے سے نکلنے اور ہر مسئلے کے حل کے لیے مقامی رابی (مذہبی پیشوا) سے رجوع کرنے کے بجائے خود کو بتدریج مغربی سماج میں ضم کر لینا چاہیے۔

دوسرے دانش مندوں کا خیال تھا کہ قومی لاچاری کا بس ایک مداوا ہے کہ کسی مسیحا کی آمد کا لامتناہی انتظار کیے بغیر ایک آزاد خود مختار یہودی ریاست کے لیے جدوجہد کی جائے اور یہ ریاست ارضِ فلسطین (جوڈیا و سماریا) ہی ہو سکتی ہے جسے یہودیوں کو لگ بھگ دو ہزار برس قبل بالجبر چھوڑنا پڑا اور جس کی واپسی کا وعدہ خدا نے بھی ہم سے کر رکھا ہے۔ تو کیوں نہ خدا کو زحمت دیے بغیر ہم اپنے زورِ بازو پر یہ کام سر انجام دیں۔

مگر کٹر مذہبی طبقہ سمجھتا تھا کہ ہمیں تورات میں کیے گئے الہامی وعدوں کی لاج رکھتے ہوئے صبر سے اس مسیحا کا انتظار کرنا چاہیے جو ہمیں دوبارہ ارض فلسطین میں بسائے گا۔ اس آسمانی وعدے کے برعکس سوچنا الہامی تعلیمات سے بغاوت و انحراف ہے۔

یہ بحث نئی نہیں تھی بلکہ مشرقی و وسطی یورپ کے یہودی چائے خانوں میں ۱۷۷۰ء کے عشرے سے روشن خیال اصلاح پسندوں اور تبدیلی کے خواہاں دانشوروں کے مابین چھڑی ہوئی تھی۔ اگلے سو برس میں اس نے ایک ٹھوس اور منظم شکل اختیار کر لی۔

زیون یا صہیون یروشلم کی ایک پہاڑی کا عبرانی نام ہے اور زائیونسٹ کا مطلب ہے حبیبِ زیون۔ چنانچہ روس اور رومانیہ سمیت وسطی و مشرقی یورپ کے ہم خیال دانشوروں نے ’ہوویوی زیون‘ (حبِ زیون) نامی تھنک ٹینک قائم کیا۔

اٹھارہ سو بیاسی میں روسی شہر اوڈیسہ میں یہود کش فسادات کے ردِّ عمل میں وہاں کے ایک رہائشی ڈاکٹر لیون پنسکر ز کا ایک کتابچہ آٹو ایمنی سپیشن (راہِ نجات) کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں تجویز کیا گیا کہ اپنے بل بوتے پر ایک قومی وطن حاصل کرنے میں ہی عافیت ہے ورنہ ہم ہمیشہ

غیر محفوظ رہیں گے۔ اس کتابچے کو جدید صہیونیت کی پہلی بنیادی دستاویز کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتابچہ یورپی یہودی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

ایک قومی وطن کے خیال کو منظم نظریاتی شکل دینے کے لیے نومبر ۱۸۸۴ء میں جرمن شہر کاٹووٹز میں 'ہوویوی زیون' کے بینر تلے ڈاکٹر لیون پنسکر کی زیرِ صدارت بتیس دانش مند سر جوڑ کے بیٹھے۔ ان میں سے بائیس مندوب روسی تھے۔ کانفرنس میں فیصلہ ہوا کہ یورپی ممالک میں 'ہوویوی زیون' کی مقامی شاخیں قائم کی جائیں تاکہ قومی وطن کی ضرورت کے نظریے کا منظم پرچار ہو سکے۔

جو یہودی خاندان فلسطین میں بسنا چاہیں ان کی ہر ممکن مالی و مادی اعانت ہو سکے۔ ۱۸۷۸ء سے فلسطین نقلِ مکانی کرنے والے اکا دکا یورپی خاندانوں نے مستقبل کے تل ابیب کے نزدیک پیتا تکوا کے نام سے چھوٹی سی بستی کی شکل میں اجتماعی کاشتکاری کا تجربہ شروع کر دیا۔

اس تجربے نے بعد ازاں کیبوتز تحریک کی منظم شکل اختیار کی۔ (کیبوتز سے مراد ایسی آباد کار بستی جو ہر اعتبار سے خود کفیل ہو اور اسے مقامی آبادی کی مدد پر کم سے کم تکیہ کرنا پڑے)۔ 'ہوویوی زیون' کی قیادت نے یہودی آباد کار خاندانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے کچھ مالی مدد بھی بھیجی مگر بیشتر یورپی یہودیوں میں تحریکِ نقلِ مکانی ابتدا میں زیادہ مقبول نہ ہو سکی۔

البتہ 'ہوویوی زیون' نے یہودی برادریوں میں کام جاری رکھا۔ اور اس کے نتیجے میں سوئس شہر بیسل میں ۲۹ اگست ۱۸۹۷ء میں پہلی تین روزہ صہیونی کانگریس منعقد ہوئی۔

کانگریس کی صدارت ہنگری کے ایک صحافی، وکیل، ادیب اور سیاسی ایکٹوسٹ تھیوڈور ہرزل نے کی۔ ابتدا میں اس کانگریس کا انعقاد میونخ میں تجویز کیا گیا مگر جرمن یہودی مذہبی حلقوں اور لبرل اصلاح پسندوں کی مخالفت کے سبب اسے بیسل منتقل کرنا پڑا۔ کارروائی جرمن زبان میں لکھی گئی۔

کانگریس میں سترہ ممالک سے دو سو آٹھ یہودی مندوب شریک ہوئے۔ نصف کا تعلق روس اور مشرقی یورپ سے تھا۔ سترہ خواتین کو بطور مبصر مدعو کیا گیا (انہیں ووٹنگ میں حصہ لینے کی اجازت اگلے برس منعقد ہونے والی دوسری صہیونی کانگریس میں ملی)۔

ایک تفصیلی اعلان نامۂ باسل جاری ہوا۔ لبِ لباب یہ تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے لیے سیاسی و قانونی کوشش باضابطہ شروع کی جائے۔ یہودی کسانوں، ہنرمندوں اور تاجروں کو فلسطین میں بسنے پر راغب کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ہر ملک کی یہودی آبادی میں ایک آگہی مہم تیز کی جائے۔ تین ستمبر ۱۸۹۷ء کو تھیوڈور ہرزل نے کانگریس کے اختتام کے بعد اپنی ڈائری میں یہ تاریخی پیرا لکھا۔

"بیسل میں آج ہم نے ایک یہودی ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ اگر آج میں یہی بات برسرِعام کہوں تو دنیا بہت ہنسے گی۔ مگر اگلے پانچ یا زیادہ سے زیادہ پچاس برس میں ہر کوئی اسے ابھرتا ہوا دیکھے گا۔"

دوسری صہیونی کانگریس اگلے برس مئی میں جرمن شہر کاؤلون میں منعقد ہوئی۔ اس میں عوامی چندہ جمع کرنے کی خاطر جیوش کلونیل ٹرسٹ کے نام سے ایک بینک کے قیام کی منظوری دی گئی۔ ۱۹۰۱ء میں ہونے والی پانچویں سالانہ صہیونی کانگریس میں جیوش نیشنل فنڈ قائم ہوا۔ اس کا مقصد فلسطین میں زمینوں کی خریداری تھی۔

اسرائیل میں آباد ہونے والے یہودیوں کی سماجی و اقتصادی حالت بہتر بنانے اور انہیں یکجا کرنے کے لیے زائیونسٹ کمیشن قائم ہوا۔ اس کمیشن نے فلسطین کا ارضیاتی سروے کیا۔ کمیشن کے تحت تعلیم، آبادکاری، زرعی امور، مالیات، نقل مکانی اور بندوبستِ اراضی کے شعبے کام کرنے لگے۔

انیس سو اکیس میں صہیونی کمیشن کا نام فلسطین زائیونسٹ ایگزیکٹو ہو گیا۔ اس کے تحت قائم جیوش ایجنسی نے فلسطین میں برطانیہ کی ابتدائی انتظامیہ کے لیے یہودی آبادکاروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے مشاورتی کردار ادا کرنا شروع کیا۔

صہیونی کانگریس کا دفتر ۱۹۰۷ء میں یروشلم میں قائم کیا گیا۔ اب یہ کانگریس اسرائیل میں ہر چار برس بعد منعقد ہوتی ہے۔

اب ہم صہیونیت کے باوا آدم تھیوڈور ہرزل کی زندگی اور نظریات کا احاطہ کریں گے تاکہ ہمیں صہیونی ذہن سمجھنے میں مدد مل سکے۔

صہیونیت کا باوا آدم تھیوڈور ہرزل

چودہ مئی انیس سو اڑتالیس کو جب ڈیوڈ بن گوریان نے مملکتِ اسرائیل کی تشکیل کا باضابطہ اعلان کیا تو اس اعلان میں صرف ایک شخص کا نام شامل تھا، اور اسی شخص کی تصویر کے سائے میں یہ اعلان پڑھا گیا۔ حالانکہ اس شخص کا انتقال چوالیس برس قبل آسٹریا میں چوالیس برس کی عمر میں ہو چکا تھا۔

اسرائیل کے قیام کے اگلے برس (۱۹۴۹ء) اس کے جسد کو یروشلم منتقل کر کے اسی کے نام سے معنون ایک پہاڑی پر دفنایا گیا۔ اس کے پہلو میں اس کی اہلیہ اور بچوں کی بھی قبریں ہیں۔ ایک شہر اس کے نام پر ہے۔ اسے مملکتِ اسرائیل کے روحانی باپ اور صہیونیت کے باوا آدم کا درجہ حاصل ہے۔ جو بھی اہم غیر ملکی مہمان اسرائیل آتا ہے اس کے مزار پر حاضری ضرور دیتا ہے۔

وکیل، صحافی، ادیب اور صہیونی سیاسی مرشد تھیوڈور ہرزل ہنگری کے شہر بوڈاپسٹ میں ایک متمول یہودی کاروباری خاندان میں مئی ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوا۔ یورپی اشرافیہ کا حصہ ہونے کے باوجود بقولِ ہرزل اس نے روزمرہ زندگی میں جو تعصبات محسوس کیے، ان کے نتیجے میں وہ بتدریج اس نتیجے پر پہنچا کہ یورپی سماج میں یہودیوں کی ایک مساوی درجے پر مکمل قبولیت کبھی ممکن نہیں ہو گی۔ ایک ہی حل ہے کہ ایک آزاد و خود مختار یہودی ریاست ہو جہاں دنیا بھر میں بکھرے یہودی تحفظ کی فضا میں یکجا رہ سکیں۔

۱۸۹۶ء میں ہرزل نے ''یہودی قومی ریاست کے خدوخال (دیر جوڈن شٹاٹ)'' کے نام سے کتابچہ شایع کیا۔ یہ کتابچہ یہودی حلقوں میں پرجوش انداز میں لیا گیا اور صرف ایک برس بعد اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سوئس قصبے بیسل میں پہلی صہیونی عالمی کانگریس منعقد ہوئی۔ ہرزل کو اس کانگریس کا صدر چنا گیا اور اسے اور اس کے بنیادی نظریاتی ساتھیوں کو یہ ذمے داری سونپی گئی کہ وہ نوآبادیاتی طاقتوں کے فیصلہ سازوں سے رابطہ کر کے انہیں ممکنہ طور پر فلسطین میں ایک یہودی ریاست کی افادیت پر قائل کریں۔

ہرزل نے ۱۸۹۸ء میں پہلی بار فلسطین دیکھا۔ یہ یاترا جرمن بادشاہ قیصر ویلہلم کے یروشلم کے دورے کی تاریخوں میں رکھی گئی۔ دونوں کی مختصر بے نتیجہ ملاقات بھی ہوئی۔ البتہ صہیونی حلقوں میں اس ملاقات کے سبب ہرزل کی سیاسی اہمیت بڑھ گئی۔

ہرزل نے استنبول جا کر عثمانی بادشاہ سلطان عبدالحمید دوم کے سامنے بھی اپنا مقدمہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہاں ہرزل کی ملاقات صرف وزیرِ اعظم (گرینڈ وزیر) سے ہو پائی جنہوں نے ہرزل کا نقطۂ نظر ہمدردی سے سنا مگر یہ کہتے ہوئے شائستگی سے انکار کر دیا کہ فلسطین سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ ہے۔ اہلِ یہود جب چاہیں زیارت کے لیے آ سکتے ہیں۔ وہاں رہ بھی سکتے ہیں مگر مقامی عرب آبادی کبھی بھی برداشت نہیں کرے گی کہ کوئی بیرونی طبقہ مستقل بنیادوں پر اپنی ایک خود مختار شناخت بنانے کی کوشش کرے۔

تاہم ہرزل نے ہمت نہ ہاری اور یورپ کے سب سے بارسوخ یہودی کاروباری خاندان روتھ چائلڈز کے ذریعے سلطنتِ برطانیہ کے ایوانوں میں لابنگ کی کوشش کی۔ روتھ چائلڈز کا معاشی و سماجی اثر و رسوخ وزیر نوآبادیات جوزف چیمبرلین سے ہرزل کی ملاقات کا سبب بن گیا۔

ہرزل نے تجویز دی کہ یہودیوں کو قبرص یا صحرائے سینا دے دیا جائے۔ چیمبرلین نے کہا کہ مصر پر برطانوی رسوخ کے باوجود وہاں کے پاشاؤں کو شاید اپنی آبادی کے ممکنہ ردِ عمل کے خدشے کے پیشِ نظر یہ انتظام قبول نہ ہو۔ یہی مشکل قبرص کی عیسائی اکثریت کی جانب سے بھی پیش آ سکتی ہے۔ البتہ یوگنڈا اور کینیا کی برطانوی نوآبادیوں کے درمیان پانچ ہزار مربع میل کا ایک ٹکڑا دینے پر غور ہو سکتا ہے۔ (حالانکہ اس علاقے میں مسائی قبیلہ آباد تھا)۔

وہاں آپ کو آگے چل کر (کینیڈا اور آسٹریلیا کی طرح) سلطنتِ برطانیہ کی ڈومینینین کا درجہ بھی مل سکتا ہے۔

ہرزل کو ذاتی طور پر یہ تجویز بھلی لگی۔ البتہ چیمبرلین نے یہ تجویز محض یہودیوں کی ہمدردی میں سامنے نہیں رکھی بلکہ اس کے پیچھے برطانوی نوآبادیاتی ذہن کار فرما تھا۔

روس اور مشرقی یورپ میں یہود مخالف تشدد کے نتیجے میں ہزاروں خاندان مغربی یورپ میں پناہ کے متمنی تھے۔ چیمبرلین نہیں چاہتا تھا کہ اس غول کا رخ برطانیہ کی جانب ہو جائے جہاں مقامی مزدور پہلے ہی اپنے روزگار کی صورتِ حال کے سبب بے چین تھے۔

چیمبرلین کو یہ بھی احساس تھا کہ اگر یہودیوں کو یوگنڈا میں بسایا جاتا ہے تو متمول برطانوی اور دیگر یورپی کاروباری یہودی یہاں سرمایہ کاری بھی کریں گے۔ بالخصوص مشرقی افریقہ کے ریلوے منصوبے کے بھاری خسارے کو کم کیا جا سکے گا۔ نیز روس اور مشرقی یورپ سے نکلنے والے یہودی برطانیہ عظمیٰ کے نہ صرف احسان مند رہیں گے بلکہ ان کی افرادی قوت اور یہودی بینکرز کے سرمائے سے جنوبی افریقہ میں جاری بوئر جنگ کے اخراجات میں بھی شاید مدد مل سکے۔

جب مشرقی افریقہ کے برطانوی گورے آبادکاروں کو اس منصوبے کی بھنک پڑی تو انہوں نے اور برطانیہ میں میڈیا کے ایک حصے نے اس منصوبے کی کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔

دوسری جانب جب ہرزل نے ۱۹۰۳ء میں منعقد ہونے والی چھٹی صہیونی کانفرنس میں یہ تجویز رکھی تو وہاں بغاوت ہو گئی اور اس منصوبے کو فلسطین میں بسنے کے صہیونی خواب سے غداری قرار دیا گیا۔ ہرزل کو بادلِ نخواستہ اپنی تجویز واپس لینا پڑ گئی۔ البتہ ہرزل نے یہ جملہ ضرور کہا ''ان لوگوں (یہودیوں) کی گردن میں رسہ پڑا ہوا ہے مگر یہ پھر بھی اکڑے ہوئے ہیں''۔

ہرزل کا خیال تھا کہ مشرقی یورپ میں جاری یہود مخالف لہر اور اس کے نتیجے میں دیگر ریاستوں کی جانب سے یہودی پناہ گزینوں کو اپنے ہاں بسانے سے ہچکچاہٹ کے سبب یوگنڈا منصوبہ برا نہیں۔ جب یہاں ایک نیم خود مختار ڈھانچہ بن جائے گا تو اس کی بنیاد پر برطانیہ عظمیٰ کی مدد سے فلسطین کی بابت بھی بات ہو سکتی ہے۔

یورپی مدبروں کی طرح ہرزل بھی سلطنتِ عثمانیہ کے مردِ بیمار کا بتدریج اختتام دیکھ رہا تھا۔ وہ یورپی سامراجی طاقتوں کی آپس کی رقابت اور ناگزیر ٹکراؤ کی خونی بو سونگھ رہا تھا اور اس ٹکراؤ کو صہیونی ایجنڈہ آگے بڑھانے کی سیڑھی سمجھ رہا تھا۔ مگر جو وہ دیکھ رہا تھا باقیوں کو نہ سمجھا سکا اور چند ماہ بعد تین جولائی ۱۹۰۴ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ مگر اپنی مختصر چوالیس سالہ زندگی میں ہرزل نے ایک مملکت کے حصول کے جو عملی خدوخال وضع کر دیے، بعد میں آنے والوں نے اس خاکے میں تندہی سے رنگ بھرے۔

انیس سو چودہ میں یورپ کی سامراجی طاقتیں آپس میں بھڑ گئیں۔ صہیونی تحریک کے نقطۂ نظر سے بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ گیا۔ سلطنتِ عثمانیہ ختم ہو گئی۔ فلسطین پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا، اور ۱۹۱۷ء میں بالفور اعلان کے ذریعے اس مملکت کا دستاویزی سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا جس کا خواب ہرزل نے دیکھا تھا۔ آگے دیکھتے ہیں کہ ہرزل کیا چاہتا تھا اور اس کے جانشینوں نے اس تصویر کو مکمل کرنے کے لیے کون کون سے ہتھکنڈے استعمال کیے جن کے نتیجے میں صہیونیت ایک سفاک نسل پرست تحریک میں بدلتی چلی گئی۔

اب تک آپ کو کچھ کچھ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ بابائے صہیونیت تھیوڈور ہرزل کیسا مستقبل شناس تھا اور اس نے صہیونی نظریے کو عملی شکل دینے کے لیے آخری دن تک کیسی انتھک محنت کی۔ وہ اپنے ترکے میں ایک کل وقتی عملیت پسند ٹیم بھی چھوڑ گیا جس نے ۱۹۰۴ء میں چوالیس برس کی عمر میں ہرزل کی موت کے چوالیس برس بعد (۱۹۴۸ء) ہرزل کے خواب کو ہر حربہ استعمال کرتے ہوئے حقیقت میں بدل ڈالا۔

صہیونیت کی جڑیں دراصل دو ہزار برس سے جلاوطن ہر یہودی گھرانے میں روزانہ دہرائی جانے والی اس دعا میں پوشیدہ ہیں "خدا نے چاہا تو اگلے برس یروشلم میں"۔ یہ دعا نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔

مگر انجیل کے عہد نامہ جدید کے مطابق مقبوضہ فلسطین کے رومن گورنر کو حضرت عیسیٰ کے خلاف بھڑکا کر انہیں مصلوب کروانے کا گناہ بھی وقت کے یہودی کاہنوں کے سر پر ہے۔ لہٰذا عیسائی دنیا میں بالخصوص یہودیوں کے خلاف من حیث القوم ایک دبی دبی نفرت مسلسل برقرار رہی جسے وقتاً فوقتاً آگ میں بدلنا اور انہیں بے دخل کرنا روس سے پرتگال تک ہر سلطنت و حکومت عوام کی توجہ دیگر مسائل سے ہٹانے کے لیے تاریخی طور پر بطور ہتھیار استعمال کرتی آئی۔

جب کہ مشرق بالخصوص مسلمان دنیا میں مدینہ سے یہودی قبائل کی بے دخلی کے ایک واقعہ کے بعد بغداد کے عباسی ہوں کہ قرطبہ کے اموی یا استنبول کے عثمانی۔ ہر دور میں یہودی نہ صرف عمومی طور پر محفوظ و مامون رہے بلکہ انہوں نے عرب اور مسلمان تہذیب کے ہر شعبے بالخصوص نوکر شاہی، مالیات امورِ خارجہ، فلسفے، طب اور سائنس کے میدان میں کلیدی کردار ادا کیا۔

اسپین سے تو ۱۴۹۲ء میں مسلمان اور یہودی ایک ساتھ نکالے گئے اور پھر یہ یہودی مراکش تا استنبول تا ہندوستان آباد ہوئے اور مقامی ثقافت میں رچ بس گئے۔

جب کہ صہیونیت یورپی (اشکنازی) یہودیوں کو درپیش مسلسل عدم تحفظ کا ردِ عمل تھا۔ جسے انیسویں صدی کے آخری عشروں میں روسی زار نکولس دوم کی یہود دشمنی پالیسیوں کے سبب تیزی سے پنپنے کا موقع ملا۔

مگر مشرقی یورپ کے برعکس مغربی یورپ میں انیسویں صدی کے دوسرے وسط میں تعصب اتنا شدید نہیں تھا۔ اس دور میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، ہالینڈ، ڈنمارک وغیرہ میں یہودی برادریوں نے روایتی پیشے ترک کر کے نئے پیشے اپنانے کے ساتھ ساتھ مذہبی راہبوں کے چنگل سے نکلنے کی بھی سنجیدہ کوشش کی اور اس کوشش میں صہیونیت نے ایک راہِ تازہ فراہم کی۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں یہودی تناسب تیزی سے بڑھنے لگا۔ چنانچہ یورپ کے متوسط اور بالائی طبقات میں بھی ہم پلہ یہودیوں کو قبول کیا جانے لگا۔

مگر جیسا کہ ہوتا آیا ہے۔ نئی ابھرتی یہودی مڈل کلاس ہی صہیونیت کی سب سے پرجوش پرچارک بنی (جیسا کہ نازی جرمنی اور موجودہ بھارت میں مڈل کلاس ہی نظریاتی انتہا پسندی کا ہراول طبقہ بنی)۔

اس کے برعکس مشرق میں صدیوں سے پرامن طور پر آباد یہودی اقلیت کو ابتدا میں صہیونیت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں بیسویں صدی میں اس جانب یورپی نظریہ سازوں نے دانستہ ہنکالا۔

صہیونی نظریے کی بنیاد ارضِ فلسطین پر یہودیوں کا تاریخی دعویٰ ہے جب انہیں جبراً دو ہزار برس پہلے یہ سرزمین چھوڑنا پڑی۔ ان کی جگہ دیگر برادریاں بستی چلی گئیں اور بازنطینی شکست کے بعد یروشلم کی فتح کے نتیجے میں لگ بھگ چودہ سو برس سے یہ خطہ عرب نژاد برادریوں کا مسکن بنتا چلا گیا۔ مگر صہیونی نظریے کے مطابق یہ زمین خدا نے بنی اسرائیل کو بخشی تھی چنانچہ ان کے بعد یہاں بسنے والے سب غاصب ہیں۔ ان غاصبوں سے خدا کی وعدہ کردہ سرزمین (دجلہ تا نیل اور دمشق تا حجاز) واگذار کروا کے سلطنتِ بنی اسرائیل کا جغرافیائی احیا ہی صہیونیت کا حتمی ہدف ہے۔

اس پورے خطے میں بسنے والے 'اغیار' ہیں چنانچہ ایک خالص یہودی ریاست میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تا آنکہ وہ درجۂ دوم کے محکوموں کے طور پر رہنے کو تیار ہوں۔ (نازیوں کا آریائی نسلی برتری اور ہندوتوا نظریہ بھی کم و بیش یہی ہے)۔

یورپی یہودیوں کی عمومی زبان یادش کہلاتی تھی۔ یادش کوئی خالص زبان نہیں بلکہ عبرانی اور مقامی یورپی زبانوں کا آمیزہ ہے جس طرح جنوبی افریقہ کے نسل پرست گوروں کی افریکانز زبان ڈچ اور مقامی بولیوں کا آمیزہ ہے۔

اس کے برعکس مشرق میں آباد یہودی برادریاں مذہبی معاملات میں عبرانی اور روزمرہ معاملات میں عربی، فارسی اور ترک سے کام لیتی تھیں۔ صہیونیوں نے عبرانی کو ایک بین البراعظمی یہودی قومی اتحاد کا استعارہ بنانے کے لیے شعوری طور پر بہت اہم لسانی کام کیا۔

عبرانی کو گزشتہ سو برس میں معبدوں اور علماء کے حجروں سے نکال کے قدیم تاریخ اور جدیدیت کے مابین ایک پل بنا کر اس نہج پر پہنچا دیا کہ اسرائیل کے ہر یہودی شہری کے روزمرہ میں عبرانی کا چلن عام ہو گیا۔ یوں عبرانی نے صدیوں سے مختلف ثقافتوں میں رہنے کے عادی نووارد یہودی آبادکاروں کو ایک متحدہ قوم کی لڑی میں پرونے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ عبرانی میں جدید علوم کے تراجم تیزی سے ہوئے اور آج شاید ہی کوئی علمی شاخ ہو جس کی کوئی اہم کتاب یا تحقیق عبرانی میں دستیاب نہ ہو۔

صہیونیوں نے ایک اہم کام یہ کیا کہ "خدا نے چاہا تو اگلے برس یروشلم" کے دعائیہ عہد کو ایک سیاسی نظریاتی ہتھیار میں بدل دیا۔ چنانچہ یہودی دائیں بازو کا ہو کہ بائیں کا۔ کٹر مذہبی ہو کہ سیکولر، سب نے یہ نعرہ اپنا لیا اور اس نے قوم پرستی کی بنیاد میں سیمنٹ کا کام دیا۔

مگر اہم بنیادی سوال یہ تھا کہ فلسطین جہاں انیسویں صدی کے آخر میں یہودی آبادی ایک فیصد سے بھی کم تھی۔ وہاں اکثریت بنے بغیر ایک یہودی ریاست کیسے قائم ہو سکتی ہے؟ ہرزل نے ۱۸۹۶ء میں "ایک یہودی ریاست" کے نام سے جو کتابچہ لکھا، اس کے مطابق:

> "ہمیں جو بھی علاقہ تفویض ہو گا، اس میں بڑے پیمانے پر املاک و اراضی خریدنا ہوں گی۔ غریب مقامی آبادی کے لیے ہم اپنی املاک اور اراضی میں روزگاری مواقع محدود کرتے چلے جائیں گے، تاکہ وہ تنگ آ کر بہتر معاشی مستقبل کی تلاش میں ہجرت پر آمادہ ہو جائیں۔ یہ کام بتدریج اور احتیاط سے کرنا ہو گا"۔

مگر ہرزل اور صہیونیت کا دور خا چہرہ کچھ فلسطینیوں نے شروع میں ہی بھانپ لیا۔ عثمانی یروشلم کے میئر یوسف الخالدی بھی انھی میں سے تھے۔ انہوں نے مارچ ۱۸۹۹ء میں فرانس کے ربیِ اعظم زدوک کہان کو خط لکھا کہ اگر صہیونی فلسطین میں یورپی یہودیوں کو مستقل بسانے کا سوچ رہے ہیں تو اس کا ردِ عمل عرب قوم پرستی کی شکل میں نکلے گا اور اس معاملے میں مقامی مسلمانوں اور عیسائیوں کا موقف ایک ہی ہو گا۔ لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ یورپی یہودی قیادت اس طرح کی مہم جوئی سے باز رہے۔

زدوک کہان نے یوسف الخالدی کا خط ہرزل کو دکھایا۔ ہرزل نے اپنے جوابی خط میں الخالدی کے خدشات دور کرنے کے لیے لکھا کہ اگر یہودی فلسطین میں بستے ہیں تو ان کی صلاحیتوں کا نہ صرف سلطنتِ عثمانیہ بلکہ مقامی آبادی کو بھی فائدہ ہو گا۔ ہمیں احساس ہے کہ غیر یہودی اکثریت میں ہیں۔ لہٰذا انہیں کیسے کہیں اور منتقل کیا جا سکتا ہے؟ اگر سلطان عالی مقام ہمیں قبول نہیں کریں گے تو وہ سب جس کی ہمیں ضرورت ہے ہم کہیں اور ڈھونڈھ لیں گے۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ صہیونی قیادت نے برطانیہ کا دامن پکڑ لیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یورپ سے جو یہودی فلسطین میں بسنے کے لیے آئے وہ ہرزل کے طے شدہ اصل خاکے کے مطابق مقامی آبادی سے میل جول بڑھانے کے بجائے قلعہ بند بستیاں (کیبوتز) قائم کرنے لگے۔ عام مزدوری سے لے کے ہنر مندی کے کاموں تک یہودی افرادی قوت پر مکمل انحصار کا اصول سختی سے نافذ ہوا۔ ابتدا میں کھیت مزدوری کے لیے مقامی آبادی کو اجرتی کام دیا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ بھی محدود ہوتا چلا گیا۔

مگر یہودی آبادکاروں کی توقعات کے برعکس جب فلسطینی اکثریت نے معاشی دباؤ کے باوجود اپنی سرزمین چھوڑنے سے انکار کر دیا تو ہرزل کی ہدایت کے برعکس احتیاط کا دامن ترک کر کے فلسطینیوں کی جبری بے دخلی شروع ہوئی اور اس کا اختتام نسل کشی کو جائز کرنے پر ہوا۔

خائم وائزمین

بابائے صہیونیت تھیوڈور ہرزل کا انیس سو چار میں انتقال ہوا تب تک صہیونی تحریک کو کئی زیرک پاسبان مل چکے تھے۔ ان میں سے ایک مضبوط نام خائم وائزمین کا بھی تھا۔

وائزمین ایک روسی نژاد چوبی سوداگر کے ہاں ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے جرمنی سے آرگینک کیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کی۔ وائزمین کے پندرہ بہن بھائیوں میں سے دو بہنوں اور ایک بھائی نے بھی کیمسٹری میں نام کمایا۔

دس بہن بھائیوں نے مختلف اوقات میں فلسطین ہجرت کی۔ جب کہ وائزمین نے ۱۹۱۰ء میں برطانوی شہریت حاصل کر لی جو ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام تک برقرار رہی۔ وائزمین کا زیادہ تر وقت مانچسٹر میں گذرا۔ ۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۹ء وہ برطانوی بحریہ کی ریسرچ لیبارٹریز کے ڈائریکٹر اور دوسری عالمی جنگ کے دوران جنگی سپلائی کے محکمے کے مشیر رہے۔

وائزمین کے دو بیٹوں میں سے بڑے بیٹے بنجمن نے آئرلینڈ میں بس کر ڈیری فارمنگ اپنا لی۔ چھوٹا بیٹا جو رائل ایرفورس میں پائلٹ تھا ۱۹۴۲ء میں ایک جنگی مشن کے دوران لاپتہ ہو گیا اور کبھی سراغ نہیں ملا۔ خائم وائزمین کا ایک بھائی موشے وائزمین یروشلم کی ہیبرو یونیورسٹی میں شعبہ کیمسٹری کا سربراہ رہا۔ ۱۹۲۵ء سے فعال ہیبرو یونیورسٹی کے قیام میں آئن سٹائن اور وائزمین کا بنیادی کردار تھا۔ جب کہ ان کا ایک بھتیجا ایزر وائزمین بعد ازاں اسرائیلی فضائیہ کا سربراہ اور پھر ملک کا صدر بنا۔

وائز مین نے اسرائیل کے قیام سے چودہ برس قبل تل ابیب کے نزدیک رہووٹ کی آبادکار بستی میں پوسٹ گریجویٹ سائنسی تعلیم کے فروغ کے لیے ایک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا۔ اسے بعد ازاں خائم وائز مین انسٹی ٹیوٹ آف سائنسز کا نام دیا گیا۔ ان کا گھر بھی اسی انسٹی ٹیوٹ کے احاطے میں تھا اور یہیں انہیں وصیت کے مطابق سپردِ خاک بھی کیا گیا۔

خائم وائز مین اپلائیڈ کیمسٹری کا ایک بڑا نام ہے۔ انہیں فادر آف انڈسٹریل فرمنٹیشن کہا جاتا ہے۔ انہوں نے نباتات سے صنعتی پیمانے پر ایسی ٹون اور ایتھونول بنانے کا طریقہ دریافت کیا۔ ایسی ٹون کورڈائٹ نام کا دھماکا خیز مواد بنانے میں بنیادی ایلیمنٹ ہے۔ اس حیرت انگیز پیش رفت کے سبب برطانیہ کو پہلی عالمی جنگ کے دوران جرمنی پر سبقت حاصل کرنے میں خاصی مدد ملی۔

خائم وائز مین کی سائنسی قابلیت نے برطانوی اشرافیہ کو ان کا ممنون بنادیا اور اس تعلق کا احسان برطانوی اسٹیبلشمنٹ نے بالفور ڈکلریشن کی شکل میں چکایا۔ کنزرویٹو وزیرِ اعظم ڈیوڈ لائیڈ جارج، مانچسٹر سے منتخب رکن پارلیمان سابق وزیرِ اعظم اور لائیڈ جارج کابینہ میں وزیرِ خارجہ آرتھر بالفور اور بااثر وزیرِ بلدیات ہربرٹ سیموئیل وائز مین کے مداحوں میں شامل تھے۔

وزیرِ خارجہ بالفور نے انیس سو سترہ میں پہلی عالمی جنگ کے خاتمے سے چند ماہ قبل صہیونیت کے سب سے بڑے برطانوی سرپرست سرمایہ دار سر والٹر روتھ چائلڈ کی مشاورت سے مرتب کردہ دستاویز جس میں فلسطین میں یہودی وطن کے قیام کی برطانوی حمایت کا وعدہ تھا جنگی کابینہ کے سامنے رکھی تو لارڈ کرزن، لارڈ ایسکوئتھ اور وزیرِ امورِ ہند مانٹیگو نے اس منصوبے پر شدید تحفظات ظاہر کیے۔ اچھا انہیں خدشہ تھا کہ ایک ایسے وقت جب جرمنوں کو اپنی شکست صاف دکھائی دے رہی ہے وہ بالفور ڈکلریشن کو برطانیہ کے خلاف عربوں کو بھڑکانے کے لیے استعمال کرسکتے ہیں اور یوں مشرقِ وسطیٰ میں اتحادی جنگی حکمتِ عملی کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔ مگر گرما گرم مباحثے کے بعد کابینہ نے بالفور ڈکلریشن کی توثیق کر دی۔

خائم وائز مین کے بقول اسرائیل کے قیام سے بھی زیادہ اہم واقعہ بالفور ڈکلریشن کا اجرا ہے۔ خائم نے اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ سائنسی تحقیق سے جو وقت بچتا وہ صہیونی نظریے کی لابنگ میں صرف ہو جاتا۔

وائز مین نے ۱۹۰۷ء میں برطانوی کیمیکل کمپنی آئی سی آئی کے لیے فلسطین اور ٹرانس اردن کے درمیان واقع بحیرۂ مردار میں قیمتی عناصر کی تلاش میں تحقیقی رہنمائی کی اور پہلی بار یروشلم بھی دیکھا۔ انہوں نے مستقبل کی یہودی مملکت کا تصور کرتے ہوئے فلسطین لینڈ ڈویلپمنٹ کمپنی کی بنیاد رکھی۔ بقول وائز مین:

”کوئی ریاست محض کاغذی ملکیت کی بنا پر نہیں ابھرتی بلکہ نسل در نسل انتھک محنت مانگتی ہے۔ یہودیوں کو نہ صرف فلسطین میں جوق در جوق بسنا ہو گا بلکہ اپنی موجودگی مستحکم کرنے کے لیے مسلسل ریاضت بھی کرنا ہو گی“۔

ایک جانب برطانوی اسٹیبلشمنٹ وائز مین کے خواب کی پرورش کر رہی تھی تو دوسری جانب جرمن اتحادی ترکی کے زیرِ تسلط حجاز کے گورنر شریف حسین ہاشمی کو شیشے میں اتارنے کا کام بھی جاری تھا۔ ان سے وعدہ کیا گیا کہ ترکوں کی شکست میں مسلح تعاون کے عوض شام تا حجاز کو ہاشمی قیادت میں بطور ایک متحدہ عرب سلطنت تسلیم کر لیا جائے گا۔

تیسری جانب فرانس اور برطانیہ نے گرتی ہو عثمانی سلطنت کے عرب صوبوں کی بندر بانٹ کے لیے سائکس پیکو خفیہ معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے کے مندرجات کا علم صرف تیسرے اتحادی زار نکولس کو تھا۔ اس بندر بانٹ کے نتیجے میں بلادِ شام فرانس کو جب کہ عراق، ٹرانس اردن اور فلسطین برطانیہ کو ملنا تھا۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء میں بالشویکوں نے زار شاہی کا تختہ الٹنے کے بعد جنگ سے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے جنگ سے متعلق جو خفیہ دستاویزات افشا کر دیں ان میں سائکس پیکو معاہدے کی کاپی بھی تھی۔

شریفِ مکہ اس کھلی دھوکے بازی پر بھڑک اٹھے۔ مگر انہیں برطانوی ایجنٹ کرنل لارنس (لارنس آف عربیہ) نے یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا کہ یہ کوئی رسمی معاہدہ نہیں بلکہ برطانوی و فرانسیسی سفارت کاروں کی باہمی یادداشتوں کا ریکارڈ ہے۔ عربوں سے جو وعدہ کیا گیا وہ ضرور پورا ہو گا۔ لارنس نے شریفِ مکہ کو یقین دلایا کہ ان کے بیٹے فیصل کو متحدہ عرب ریاست کا بادشاہ تسلیم کر لیا جائے گا۔

مگر جب جنگ کے خاتمے سے ذرا پہلے دمشق پر سائکس پیکو سمجھوتے کے دستخطی فرانس کا قبضہ ہوا اور پیرس میں ۱۹۱۹ء میں ہونے والی فاتحین کی امن کانفرنس اور بعد ازاں فاتحین کی کٹھ پتلی لیگ آف نیشنز نے اس قبضے کی بطور انتداب توثیق کر دی تو فرانس نے دمشق سے فیصل کو کان سے پکڑ کر نکالنے میں دیر نہیں لگائی۔

برطانیہ نے اشک شوئی کے لیے عراق کی بادشاہت فیصل بن شریف حسین کے حوالے کر دی۔ جب کہ ان کے دوسرے بیٹے کو ٹرانس اردن کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ مگر اصل طاقت برطانیہ کے پاس ہی رہی۔

پیرس امن کانفرنس اور لیگ آف نیشنز نے فلسطین برطانیہ کو بین الاقوامی امانت کے نام پر سونپا تھا۔ یوں برطانوی چھتر چھایا میں یورپی یہودیوں کی کثیر تعداد میں آمد کا محفوظ راستہ کھل گیا۔

۱۹۳۳ء میں جرمنی میں ہٹلر کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد فلسطین منتقل ہونے والے یہودیوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ ہٹلر سرکار کے پہلے تین برس کے دوران ایک لاکھ سے زائد نئے یہودی فلسطین میں داخل ہوئے۔ جب عربوں کی بے چینی پھٹ پڑی تو قابض برطانیہ نے بظاہر مزید یہودیوں کی آمد محدود کر دی۔

۱۹۳۶ء میں برطانیہ نے سر رابرٹ پیل کی سربراہی میں فلسطین کمیشن بنایا۔ عربوں نے بائیکاٹ کیا۔ پیل کمیشن نے فلسطین کی تقسیم کی سفارش کی۔ صہیونی قیادت نے جھٹ سے یہ تجویز قبول کر لی۔ برطانیہ اور مسلح یہودی تنظیموں نے عرب بے چینی کو مشترکہ طور پر کچل دیا۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ نے جو پارٹیشن قرار داد منظور کی وہ پیل کمیشن کی سفارشات کا ہو بہو عکس تھی۔

انیتس اگست ۱۹۳۹ء کو دوسری عالمی جنگ کے آغاز پر خائم وائزمین نے وزیرِ اعظم چیمبرلین کو صہیونیوں کی جانب سے مکمل حمایت کا خط بھیجا۔ ۱۹۴۴ء میں برطانیہ نے فلسطین میں آباد یہودیوں پر مشتمل جیوش انفنٹری بریگیڈ تشکیل دیا جو اطالوی محاز پر مسولینی کے خلاف لڑا۔ بعد ازاں اس بریگیڈ کے تربیت یافتہ ریٹائرڈ ارکان نے ۴۸،۱۹۴۷ میں لاکھوں فلسطینیوں کو کھدیڑنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

خائم وائزمین کو ۱۹۴۲ء میں روزویلٹ نے واشنگٹن میں مدعو کیا۔ وائزمین نے جب روزویلٹ کو سمجھایا کہ مصنوعی ربڑ اور ہائی آکٹین گیسولین کی تیاری کیسے صنعتی پیمانے پر ممکن ہے تو عین جنگ کے دوران قدرتی ربڑ اور فضائیہ کے یہی لیے گیسولین کے بحران سے نبرد آزما امریکی صدر ششدر رہ گئے۔ اس خوشگوار شخصی چھاپ کو وائزمین نے بعد ازاں ٹرومین انتظامیہ سے اسرائیل کو تسلیم کروانے کے لیے چابک دستی سے استعمال کیا۔

خائم وائزمین اسرائیل کی تشکیل کے بعد پہلے عبوری صدر اور ۱۹۴۹ء میں آئینی صدر بنے اور اس عہدے پر رہتے ہوئے نو نومبر ۱۹۵۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔ تب تک وائزمین اور وزیرِ اعظم ڈیوڈ بن گوریان کی جوڑی اسرائیل کو اقوامِ متحدہ کے تحت ملنے والے علاقے کو دوگنا کر چکی تھی۔

بن گوریان

اگر کوئی اسرائیل میں اترتا ہے تو وہ لازماً ملک کے واحد بین الاقوامی بن گوریان ایرپورٹ پر ہی اترے گا۔

کہتے ہیں کہ ہرزل نہ ہوتا تو صہیونیت کی موجودہ نظریاتی شکل نہ ہوتی۔ وائزمین نہ ہوتا تو شاید بالفور ڈیکلریشن نہ جاری ہوتا۔ مگر بن گوریان نہ ہوتا تو شاید اسرائیلی ریاست ہی نہ ہوتی۔

بیسویں صدی کی سو بااثر ترین عالمی شخصیات کی ٹائم میگزین لسٹ میں بن گوریان بھی شامل ہیں۔

بن گوریان اکتوبر ۱۸۸۶ء میں ایک پولش یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایویگڈور گرون کٹر صہیونی تھے۔ یوں بن گوریان کی گھٹی میں ہی صہیونیت تھی۔ دیگر صہیونی رہنماؤں کے برعکس بن گوریان کی رسمی تعلیم اسکول تک ہی محدود رہی۔

البتہ انہوں نے عبرانی زبان پر عبور حاصل کر لیا اور وقتاً فوقتاً گذر اوقات کے لیے اس کی تدریس بھی کی۔

۱۹۰۵ء سے انیس سالہ بن گوریان نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ان کا جھکاؤ بائیں بازو کی جانب تھا۔ وہ پولینڈ میں زیرِ زمین جیوش ورکرز پارٹی میں کچھ عرصے فعال رہے۔ ان سرگرمیوں کی بنا پر دو بار جیل کی سیر بھی کی۔

بقول بن گوریان انہوں نے اپنے آبائی قصبے پلونسک میں کبھی بھی بطور یہودی کسی امتیازی سلوک کا سامنا نہیں کیا۔ مگر پلونسک کے یہودیوں کی ایک بڑی تعداد نے مرحلہ وار فلسطین کو اپنا وطن بنایا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اپنی زندگی سے تنگ تھے بلکہ وہ ایک یہودی وطن کی تعمیر کے جذبے سے سرشار تھے۔

۱۹۰۶ء میں بن گوریان خاندان بھی نقل مکانی کر گیا۔ انہوں نے جافا کے قریب قائم ایک یہودی بستی میں ڈیرہ ڈالا اور دیہاڑی دار مزدور بن گئے۔ ان کا مقابلہ مقامی عرب مزدوروں سے تھا جو اپنے کام میں زیادہ ماہر اور کم پیسے میں مزدوری پر بھی آمادہ رہتے تھے۔

جافا میں بن گوریان کو جیوش سوشلسٹ ورکرز پارٹی کے پرانے کامریڈز بھی مل گئے۔ بن گوریان کو پارٹی کی منشور کمیٹی میں شامل کیا گیا۔ مگر پھر پارٹی کے دو دھڑے ہو گئے۔ ایک دھڑا مقامی عرب اور یہودی آبادی پر مشتمل مشترکہ ریاست کی جدوجہد کا حامی تھا۔ بن گوریان اور دیگر ساتھیوں کا خیال تھا کہ ہمیں صرف یہودی ریاست کے لیے محنت کرنی چاہیے۔ مشترکہ ریاست کی صورت میں یہودی یورپ کی طرح یہاں بھی اکثریتی عرب آبادی کے رحم و کرم پر رہیں گے۔ رفتہ رفتہ بن گوریان کا نظریاتی کیمپ مضبوط ہوتا چلا گیا۔

چنانچہ پندرہ رکنی پارٹی کانفرنس کی اکثریت نے اس چارٹر کی منظوری دی کہ پارٹی یہودیوں کی سیاسی و معاشی آزادی کی جدوجہد کا محور بنے گی۔ پارٹی ارکان عام لوگوں کو بھی عبرانی کے لسانی دھاگے میں پرونے کی کوشش کریں گے تاکہ ایک متحدہ قومی تصور مستحکم ہو سکے۔

۱۹۱۱ء میں پارٹی قیادت نے یورپی طاقتوں سے کسی تعاون کی امید نہ ہونے پر فیصلہ کیا کہ عثمانی حکومت سے راہ و رسم بڑھائی جائے۔ چنانچہ بن گوریان اور ان کے نوجوان ساتھیوں نے ترک

علاقے سالونیکا کا رخ کیا تا کہ مقامی یہودی کمیونٹی میں سیاسی کام کرنے کے ساتھ ساتھ ترک زبان بھی سیکھ لیں۔

۱۹۱۴ء میں بن گوریان اور ان کے کامریڈ بن زیوی سالونیکا سے فلسطین جانے کے لیے بحری جہاز میں ہی تھے کہ پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی۔ بن گوریان اور بن زیوی نے یروشلم پہنچتے ہی ترک افواج کی مدد کے لیے یہودی نوجوانوں کو بھرتی ہونے پر آمادہ کیا۔ چالیس جوانوں پر مشتمل یہودی ملیشیا قائم ہوئی۔ مگر عثمانی انتظامیہ نے اس جذبے سے متاثر ہونے کے بجائے بن زیوی اور بن گوریان کو جبراً قاہرہ بھیج دیا۔

وہاں سے دونوں امریکہ روانہ ہو گئے تا کہ صہیونیت کا پرچار کریں اور فلسطین میں مزید یہودی آبادکاری اور موجود آبادکاروں کی فلاح کے لیے چندہ لے سکیں۔ یہ دورہ نظریاتی و مالی طور پر زیادہ کامیاب نہیں رہا۔ مگر جب بن گوریان کی ادارات میں یہودی آبادکاروں کی جدوجہد اور قربانیوں کے بارے میں مضامین کا ایک مجموعہ ”عظیم اسرائیل ماضی اور حال“ ۱۹۱۸ء میں نیویارک سے شائع ہوا تو اس کتاب کی ہزاروں کاپیاں تیزی سے بک گئیں۔ بن گوریان کی بطور مستند لکھاری اور بطور ایڈیٹر شہرت پھیلتی چلی گئی۔

جب بن گوریان اور ان کے ساتھیوں پر پہلی عالمی جنگ کے وسط میں واضح ہونے لگا کہ اب عثمانی سلطنت کا وقت پورا ہو گیا اور سلطنتِ برطانیہ کا آفتاب عروج پر ہے تو انہوں نے وفاداری پلٹنے میں لمحہ نہیں لگایا اور برطانوی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ان کا جیوش لیجن برطانیہ کی فلسطین مہم میں عثمانیوں کے خلاف لڑا۔ فلسطین اور دیگر علاقوں سے عثمانی بوریا بستر لپٹ گیا۔ بن گوریان اور دیگر برطانیہ کی نظر میں گڈ بوائے بن گئے۔

۱۹۱۹ء میں فوج میں چھانٹی کے سبب جیوش لیجن کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ بن گوریان دوبارہ ٹریڈ یونین تحریک میں فعال ہو گئے۔ ۱۹۲۱ء میں انہیں فلسطین کی صہیونی لیبر فیڈریشن (حساردوت) کا جنرل سیکریٹری چن لیا گیا اور اس عہدے پر وہ ۱۹۳۵ء تک فائز رہے۔

چونکہ یہودی آبادکاروں میں کسانوں، محنت کشوں اور ہنرمندوں کی اکثریت تھی لہٰذا بن گوریان اس طبقے کی آنکھ کا تارہ ہو گئے۔ البتہ یورپ اور امریکہ کی یہودی بورژوازی نے دامے درمے اپنے اپنے ممالک کے حکمران طبقات تک نسلی و مذہبی قوم پرستی کی آواز پہنچانے میں ضرور کلیدی کردار نبھایا۔

بن گوریان اور ان کے ساتھیوں نے یہودی مزدور طاقت کو منظم اور یکجا رکھنے کے لیے مپائی کے نام سے سیاسی تنظیم قائم کی (یہی جماعت اسرائیل کی تشکیل کے بعد لیبر پارٹی کے نام سے جانی گئی اور اس نے ۱۹۷۷ء تک بلاشرکتِ غیرے حکومت کی)۔

۱۹۳۵ء تک بن گوریان صہیونی تحریک کے سب سے طاقت ور رہنما کے طور پر ابھرے۔ وہ عالمی صہیونی تنظیم کے صدر اور فلسطین میں یہودی آبادکاری کی نگراں جیوش ایجنسی کے چیئرمین بن گئے۔

انہوں نے لیبر تحریک کا ایک مسلح بازو ہگانہ کے نام سے قائم کیا۔ اگرچہ ہگانہ دیگر مسلح یہودی ملیشیاؤں کے مقابلے میں اعتدال پسند سمجھی جاتی تھی۔ مگر جب یہودی آبادکاروں کو محسوس ہوا کہ ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۹ء کے عرصے میں فلسطینی تحریک دبانے میں برطانیہ کا بھرپور ساتھ دینے کے باوجود برطانیہ ایک یہودی ریاست کے قیام میں مدد دینے کے بجائے ٹال مٹول کر رہا ہے تو تمام مسلح ملیشیائیں عالمی جنگ ختم ہوتے ہی اس نکتے پر متفق ہو گئیں کہ ریاست کے قیام کے لیے دہشت گردی سمیت ہر حربہ جائز ہے، اب یا کبھی نہیں۔

چنانچہ ارگون اور لیوی نامی مسلح جتھوں نے عرب آبادی کو جبراً شہروں سے نکالنا شروع کیا اور ہگانہ نے یروشلم میں برطانوی انتظامیہ کا ہیڈ کوارٹر کنگ ڈیوڈ ہوٹل اڑا دیا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد برطانیہ نے یہاں سے نکلنے میں عافیت سمجھی۔

چودہ مئی ۱۹۴۸ء کو بن گوریان نے تل ابیب میں اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا اور اگلے دن برطانوی اقتدار فلسطین سے ختم ہو گیا۔ تین لاکھ فلسطینی پہلے ہی نکالے جا چکے تھے۔ بقیہ چار لاکھ اسرائیل پر چار عرب ممالک کے حملے کی ناکامی کے بعد نکال دیے گئے۔ اس جنگ میں نہ صرف برطانوی اور غیر قانونی طور پر اسمگل ہونے والا امریکی اسلحہ کام آیا بلکہ سوویت یونین کی تائید سے چیکوسلوواکیہ نے بھی نوزائیدہ ریاست کی بھرپور فوجی امداد کی۔

بن گوریان ۱۹۶۳ء تک اسرائیل کی قیادت کرتے رہے۔ ان کی وزارتِ عظمیٰ میں یہودی ملیشیاؤں کو ضم کر کے اسرائیلی ڈیفنس فورس تشکیل پائی۔ ۱۹۵۶ء کی سوئز جنگ بھی ہوئی۔ مغربی جرمنی نے ہٹلر کی نسل کشی کے ازالے کے لیے پانچ ارب ڈالر ہرجانے کی رقم اسرائیل کو مہیا کی اور آج تک کسی نہ کسی شکل میں احسان چکا رہا ہے۔

بن گوریان ۱۹۷۰ء میں عملی سیاست سے ریٹائر ہو کر جنوبی اسرائیل کے ایک گاؤں میں بس گئے اور وہیں یکم دسمبر ۱۹۷۳ء کو ان کا ستاسی برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ وہ اکتوبر ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ دیکھ کے رخصت ہوئے۔

نہوم گولڈمین عالمی صہیونی کانگریس کے ۱۹۵۱ء تا ۱۹۷۸ء صدر رہے۔ ان کے بقول بن گوریان نے مجھ سے ۱۹۵۶ء میں ایک نجی ملاقات کے دوران کہا:

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۲ پر)

فلسطین کے اِن معصوم بچوں کو

شہید و یتیم کرنے اور بے سہارا چھوڑ دینے والے صہیونیوں کی جیبیں

خدارا ہم اپنے پیسوں سے نہ بھریں!

صہیونی مصنوعات کا......

#بائیکاٹ_کیجیے!



امت کی زبوں حالی اور ہماری بے حسی

اریب اطہر

جہاد کی نسبت کے سبب حلقۂ احباب گنتی کے افراد پر مشتمل رہ جانا، آج کے دور میں ہر مجاہد ہی مشاہدہ کرتا ہے۔ آپ کبھی دوست، رشتہ دار، عزیز و اقارب کی آنکھ کا تارا ہوا کرتے تھے اور یک دم سب کے لیے اجنبی بن جائیں تو دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے اس کیفیت سے لامحالہ ہر اس شخص کو گزرنا ہی ہے جو اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے راہِ جہاد کو اختیار کرے گا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفِ بْنِ زَيْدِ بْنِ مِلْحَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي ، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

”عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایک وقت آئے گا کہ) دین اسلام حجاز میں سمٹ کر رہ جائے گا جس طرح کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور یقیناً دین حجاز میں آکر ایسے ہی محفوظ ہو جائے گا جس طرح پہاڑی بکری پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر محفوظ ہو جاتی ہے [1]، دین اجنبی حالت میں آیا اور وہ پھر اجنبی حالت میں جائے گا، خوشخبری اور مبارک بادی ہے ایسے گمنام مصلحین کے لیے جو میرے بعد میری سنت میں لوگوں کی پیدا کردہ خرابیوں اور برائیوں کی اصلاح کرتے ہیں۔“

امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

وضاحت [1]: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بارش کا بادل پہاڑ کی نچلی سطح پر ہوتا ہے تو بکری پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر خود کو بارش سے بچا لیتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بکری پہاڑ کی نشیبی سطح پر ہو اور برساتی پانی کا ریلا آکر اسے بہالے جائے اور مار ڈالے اس ڈر سے وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اس طرح کی مصیبتوں اور ہلاکتوں سے اپنے کو محفوظ کر لیتی ہے۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ، قَالَ: قِيلَ: وَمَنِ الْغُرَبَاءُ؟ قَالَ: النُّزَّاعُ مِنَ الْقَبَائِلِ.

”عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام اجنبی حالت میں شروع ہوا، عنقریب پھر اجنبی بن جائے گا، لہٰذا ایسے وقت میں اس پر قائم رہنے والے اجنبیوں کے لیے خوشخبری ہے، آپ سے سوال کیا گیا: غرباء کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ ہیں جو اپنے قبیلے سے نکال دیئے گئے ہوں۔“ [1]

وضاحت: [1]: یعنی مسافر، پردیسی جن کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہو، شروع میں اسلام ایسے ہی لوگوں نے اختیار کیا تھا جیسے بلال، صہیب، سلمان، مقداد، ابوذر رضی اللہ عنہم وغیرہ اور قریشی مہاجر بھی اجنبی ہو گئے تھے اس لیے کہ قریش نے ان کو مکہ سے نکال دیا تھا، تو وہ مدینہ میں اجنبی تھے۔

حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ عَوْفٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِي قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَنَحْنُ عِنْدَهُ طُوبَى لِلْغُرَبَاءِ فَقِيلَ مَنْ الْغُرَبَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أُنَاسٌ صَالِحُونَ فِي أُنَاسِ سُوءٍ كَثِيرٍ مَنْ يَعْصِيهِمْ أَكْثَرُ مِمَّنْ يُطِيعُهُمْ

”حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ خوشخبری ہے غرباء کے لیے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! غرباء سے کون لوگ مراد ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برے لوگ کے تم جم غفیر میں تھوڑے سے نیک لوگ جن کی بات ماننے والوں کی تعداد سے زیادہ نہ ماننے والوں کی تعداد ہو۔“ [2]

---

[1] تخریج دارالدعوہ: سنن الترمذی/الإیمان ۱۳ (۲۶۲۹)، (تحفۃ الأشراف: ۹۵۱۰)، وقد أخرجہ: مسند احمد (۱/۳۹۸)، سنن الدارمی/الرقاق ۴۲ (۲۷۹۷) (صحیح) قال قیل و من الغرباء قال النزاع من القبائل کا ٹکڑا یعنی غرباء کی تعریف ضعیف ہے، تراجع الألبانی: رقم: ۱۷۵)

[2] مسند احمد حدیث نمبر: ۶۳۶۲

راقم کی سابقہ زندگی کے کئی سال ایسے کاموں میں گزرے جن کا تعلق ملازمت اور کاروبار سے تھا۔ دفتری و کاروباری خطوط نویسی، مارکیٹنگ اور دیگر کئی امور میں دوست احباب مجھ سے مدد لیا کرتے تھے اور اب بھی کبھی کبھار انہیں ضرورت پڑ ہی جاتی ہے۔ راہِ جہاد اختیار کرنے کے بعد یہی میرے باقی ماندہ تعلقات کو برقرار رکھنے کا ذریعہ بنا رہا۔ اب چونکہ یہ تعلقات برقرار ہیں تو میری ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ اس تعلق کو دعوت کا ذریعہ بھی بنایا جائے۔ اپنے دوسرے دوست احباب اور رشتہ داروں کی بھی خبر گیری کی جائے۔ یہ ترکیب میرے ذہن میں اس وقت آئی جب مولانا عاصم عمر ﷫ کی کتاب دعوت خلافت اور منہج رسول ﷺ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ کیا ہی عمدہ کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ علم و حکمت کے موتی سموئے ہوئے ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ”دعوتی میدان میں سرگرم مجاہدین کو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہنا چاہیے جب وہ اپنی دعوت کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکیں۔ اس کی ایک مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے جب آپ نے جیل میں موجود قیدیوں کو اس وقت دعوت دی جب قیدی آپ علیہ السلام سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے آئے تھے۔“

اس کتابچے کو ادارہ حطین کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔ پیش لفظ میں اس وقت کے مدیر حطین (استاد احمد فاروقؒ) لکھتے ہیں:

> ”دعوت دین کو پھیلانا اور اللہ کے کلمے کو سربلند کرنا جہاد کا اساسی مقصد ہے۔ ہر مجاہد ایک ہی وقت میں مقاتل مجاہد بھی ہوتا ہے اور دنیا والوں کے نام ایک پیغام کا حامل داعی بھی۔ پھر قتال کے لیے شریعت نے الگ آداب سکھلائے ہیں اور دعوت کے لیے الگ۔ دعوت و قتال کے آداب سے واقفیت اور ان کی پابندی ہی اس بات کی ضمانت ہو سکتی ہے کہ مجاہدین فی سبیل اللہ اپنے کٹھن سفر کے دوران کسی بھی لمحے شریعت کے احکامات کی سرمو مخالفت نہ کریں اور ان کی وہ تحریک دنیا میں بھی وہ مطلوبہ نتائج پیدا کرے جو ہر اہل ایمان کی دل کی ٹھنڈک کا باعث بنیں۔ اسی لیے مجاہدین کو بالخصوص اس کتابچے کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے اور ان نبوی آداب سے اپنی سیرتوں کو مزین کرنا چاہیے۔ ہم خصوصیت سے مجاہدین کے ذمہ داران، ان کے میڈیا سے متعلق شعبہ جات کے اراکین، ان کے مقررین و خطباء، مصنفین و ادباء، مربیین و علماء، نیٹ کی دنیا میں دعوت دینے میں مصروف گمنام سپاہیوں اور میدان عمل میں سینہ بہ سینہ دعوت منتقل کرنے والے مجاہد بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ اس کتاب کو دل کی آنکھوں سے پڑھیں اور اپنے علمی و عملی نصاب میں شامل کریں، تاکہ احیائے خلافت اور نفاذ شریعت کی داعی یہ مبارک تحریک رب کی رضا اور اس کی مدد و نصرت اور اہل ایمان کی تائید و قبولیت حاصل کر سکے۔“

ایک چیز جس نے مجھے ہمیشہ مضطرب رکھا ہے وہ اپنے ان عزیز و اقارب کا اپنی روزمرہ کی زندگی میں کسی روبوٹ کی مانند جتے رہنا اور خود کو انفرادی اعمال تک محدود کرنا ہے۔ اور یہ کچھ انوکھا نہیں ہے، ہمارے معاشرے کی اکثریت اسی پر عمل پیرا ہے۔ باقی دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ غزہ کے مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے یا پاکستان میں ہی کیا کچھ ہو رہا ہے؟ کون مسائل کا ذمہ دار ہے؟ اس کے حل کے لیے کوشش کرنا کس کی ذمہ داری ہے؟ یہ وہ باتیں ہیں جن کی طرف راغب کرنے کے لیے اور توجہ دلانے کے لیے میں موقع کی تلاش میں ہوتا ہوں۔ جواب میں کبھی کوئی اپنے مسائل کا رونا روتا ہے تو کبھی کوئی ناراضگی کا اظہار کر دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے ہر کسی نے اپنی سہولت اور پسند کے مطابق ایک خول ترتیب دے کر خود کو اس میں مقید کر لیا ہے۔ ایک خول سیاسی ہے، یعنی جنہوں نے کسی ایک سیاسی جماعت کے نظریات کے مطابق ہی سب کچھ سمجھنا ہے۔ اس سیاسی جماعت سے باہر وہ کسی چیز کو سمجھنے اور ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ ایک عزیز کو میں نے بہانوں سے حالات حاظرہ پر بات کرنے کے لیے ان سے پوچھا کہ خبریں پڑھتے ہیں۔ تو انہوں نے فوراً جواب دیا نہ ہی نیوز چینل دیکھتا ہوں اور نہ ہی اخبار پڑھتا ہوں۔ یہ تو وقت کا ضیاع ہے۔ اپنے اس مؤقف کو انہوں نے کچھ اسلامی رنگ بھی دینے کی کوشش کی۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ بطورِ امت یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری نہیں کہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہے؟ اگر ہم سب دوسرے مسلمانوں سے لاتعلق ہو گئے ان پر ہونے والے ظلم سے لاتعلق رہیں تو کیا یہ امت کے تصور کی نفی نہیں ہوئی؟ اور عقلی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو امت کی فکر کر کے ہم کسی پر احسان نہیں کر رہے ہوتے بلکہ اس کا ہماری اپنی زندگی کو بہتر بنانے میں بھی کردار ہو گا۔

> حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ قَالَ حُذَيْفَةُ كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَهُ عَنْ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنْ الشَّرِّ قِيلَ لِمَ فَعَلْتَ ذَلِكَ قَالَ مَنْ اتَّقَى الشَّرَّ وَقَعَ فِي الْخَيْرِ
>
> ”حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں ان سے شر کے متعلق پوچھتا تھا کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا جو شخص شر سے بچ جاتا ہے وہ خیر ہی کے کام کرتا ہے۔“[۳]

---

[۳] مسند احمد ۲۲۳۰۴

حذيفة بن اليمان قال : ما من صاحب فتنة يبلغون ثلاثمائة إنسان إلا ولو شئت أن أسميه باسمه واسم أبيه ومسكنه إلى يوم القيامة ! كل ذلك مما علمنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قالوا : بأعيانها ؟ قال : أو أشباهها يعرفها الفقهاء أو قال العلماء ، إنكم كنتم تسألون رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخير وأسأله عن الشر ، وتسألونه عما كان وأسأله عما يكون.(نعيم)

”حذیفہ بن یمان ﷛ سے روایت ہے کہ میں قیامت تک فتنہ برپا کرنے والے ہر شخص کا نام اور ان کے والد اور علاقہ کا نام لے کر بتا سکتا ہوں اگرچہ ان کی تعداد تین سو تک پہنچ جائے، یہ سب اس لیے ممکن ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتلایا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ کیا ان کو متعین کر کے بتلایا ہے تو فرمایا ان کے مشابہ جس کو فقہاء یا علماء پہچان لیں گے تم تو رسول اللہ ﷺ سے خیر کی باتیں دریافت کرتے تھے اور میں شر کے متعلق دریافت کرتا تھا اور تم دریافت کرتے جو حالات پیش آچکے اور میں دریافت کرتا جو حالات پیش آنے والے ہیں ان کے متعلق۔“[۴]

آج ہم اپنے اطراف سے لاتعلق خود کو ایک خول میں بند کر کے اور انفرادی اعمال میں مشغول رہ کر سمجھتے ہیں کہ ہم برائیوں سے بچیں رہیں گے؟ جبکہ اصولی طور پر ہمیں معاشرے کی ہر برائی پر کڑھنا چاہیے، اس کے خاتمے کی فکر کرنی چاہیے، نہ کہ ہم برائیوں اور فتنوں کو بروقت پہچاننے سے بھی قاصر رہیں۔ خبروں اور حالات حاضرہ سے دور رہنے والے اپنی روٹین کی زندگی میں مگن ایک سکول ٹیچر سے میں نے پوچھا کہ آج کل پاکستان کے اکثر و بیشتر تعلیمی اداروں میں منشیات بالخصوص آئس کا نشہ عام ہو گیا ہے کیا آپ طلباء کی اور ان کے والدین کی اس حوالے سے کونسلنگ اور رہنمائی کرتے ہیں کہ کیسے اس نشے سے طلباء کو بچایا جائے؟ تو ان کا جواب تھا: آئس کیا ہوتا ہے؟ جب میں نے انہیں آئس ڈرگ کے متعلق تفصیلات بتائیں کہ یہ نشہ بچوں میں اس طرح پھیلایا گیا ہے کہ امتحانوں میں اس کے استعمال سے انہیں نیند نہیں آئے گی، وہ ابتدائی طور پر خود کو بہت چست اور چاق و چوبند تصور کریں گے، لیکن پھر بہت جلد وہ اس نشے کا شکار ہو کر ذہنی توازن کھو بیٹھیں گے۔ اس نشے کا عادی شخص ہر دوسرے شخص حتیٰ کہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگتا ہے۔ میں نے انہیں جب گزشتہ چند سالوں میں شائع ہونے والی میڈیا رپورٹس دکھائیں کہ کس طرح درجنوں واقعات میں آئس نشے کے عادی مرد یا عورت نے اپنے والدین، بہن بھائیوں، شوہر یا بیوی کو قتل کر ڈالا، تو یہ خبریں دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئے۔ اسی طرح ایک اور صاحب نے باتوں باتوں میں مجھ سے ذکر کیا کہ ان کا بچہ (میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر بمشکل چار یا پانچ سال ہو گی) محلے کی دکان پر چیز لینے جاتا ہے اور اکثر وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ پہلے میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مناسب نہیں۔ موجودہ حالات میں یہ اصولی طور پر غلط ہے تو انہوں نے دلیل دی کہ وہ اس نوجوان کو ذاتی طور پر بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کی باتوں سے مجھے کچھ اندازہ ہو گیا کہ چونکہ وہ خبروں سے دور رہتے ہیں لہٰذا روز شائع ہونے والی خبروں سے ناواقف ہیں کہ آئے روز بچے گم ہو جاتے ہیں اور پھر ان کی چند روز بعد لاش ملتی ہے۔ ایک دن موقع پا کر ان سے میں نے اعداد و شمار اور چند کیسز کی تفصیلات شئیر کر دیں جو بچوں کے جنسی استحصال کے متعلق تھیں۔ ایک واقعہ گلگت کا تھا جس میں ایک چھوٹی سی دکان پر آنے والے بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی جاتی، پھر بلیک میل کیا جاتا۔ متاثرہ بچوں کی تعداد ڈھائی سو سے زیادہ تھی۔ ان صاحب کو میں نے قصور سکینڈل کی بھی تفصیلات بتائیں جس میں سالوں تک سینکڑوں بچوں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ ان منظم گروہوں کے علاوہ اب ایسے کیسز کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جہاں بمشکل بالغ ہونے والے بچوں نے چھوٹے بچوں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنا دیا۔ اب ان صاحب کو میری باتیں سمجھ میں آگئیں۔ یہاں میں نے فقط دو ایشوز کا تذکرہ کیا۔ لیکن آج ہمارے معاشرے میں ایسے لاتعداد مسائل ہیں۔ صرف اور صرف اپنی زندگی میں مگن رہنے کے اصول پر مبنی معاشرے نے بظاہر خود کو تکلیفوں پریشانیوں سے دور رکھنا چاہا، لیکن اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ وہ خود فتنوں اور برائیوں کو بروقت پہچاننے کی صفت سے محروم ہو کر ان برائیوں کا آسان شکار ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ إِنَّمَا الدِّينُ النَّصِيحَةُ قَالُوا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ

”حضرت تمیم داری ﷛ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین تو سراسر خیر خواہی کا نام ہے، صحابہ ﷡ نے پوچھا یا رسول اللہ! ﷺ کس کے لیے؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔“[۵]

المؤمن أخو المؤمن لا يدع نصيحته على كل حال. (ابن النجار عن جابر) .

---

[۴] رواہ ابو نعیم، کنز العمال: ۳۱۳۰۴

[۵] مسند احمد ۱۶۳۳۴

”مومن مومن کا بھائی ہے جو اس کی خیر خواہی سے کبھی نہیں اکتاتا۔“

(ابن النجار، عن جابر)[٦]

ایک لمحے کو ٹھنڈے دل سے ہم سوچیں تو صحیح کہ اس بے حسی اور مادیت پرستی کی زندگی نے کیا ہمیں چین سکون اور سکھ دے دیئے ہیں یا فقط سراب اور عارضی اور دھوکے کی زندگی پر ہی راضی ہیں؟ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے متعلق فکر مندی تو ہمارا پہلا قدم ہے اگر ہم بطور امت اس سے ہی محروم ہیں تو پھر کونسی خیر باقی ہے اب ہم میں؟ یعنی بغیر قربانی تکلیف کے بھی ہم ایک کام کے لیے تیار نہیں چہ جائیکہ ہم اپنے فرض کی ادائیگی میں اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لگا کر آخرت کو ترجیح دینے والے بن جائیں۔ ظاہری نظر سے دیکھیں تو مادیت پرستی پر مبنی زندگی سہل نظر آتی ہے جہاں سب خواہشیں پوری ہو رہی ہوں اور اللہ کے دین کے لیے اپنا جان مال لگانا تکلیفوں بھری زندگی نظر آتی ہے لیکن اصلاً یہ نظر کا دھوکہ ہے کہ جب تک آپ دنیا کے لیے جیتے ہیں تو ایک نہ ختم ہونے والے خواہشات کے تسلسل کے اسیر ہیں۔ جہاں ہر وہ خواہش جو پوری نہ ہو سکے آپ پر بوجھ بنتی ہے، تکلیف دیتی ہے اور اگر اس دنیا کی حقیقت سے انسان واقف ہو جائے تو پھر زندگی بس سہل اور آسان ہے۔

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”حق تعالیٰ نے تو اسلام اور صرف اسلام کی نعمت کو آخری نعمت فرمایا تھا اور یہ صاف و صریح اعلان ہو چکا تھا کہ اس کے سوا کوئی رشتہ ورابطہ، کوئی دین و مسلک قابل قبول نہ ہو گا، نجات اسی دینِ اسلام میں ہے اور اسی دینی رابطہ میں فلاح و سعادت ہے۔ باقی تمام راستے شقاوت و ہلاکت اور تباہی و بربادی کے راستے ہیں اور یہ ابدی اعلان آج بھی حق تعالیٰ کے آخری پیغام میں کیا جا رہا ہے:
>
> وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ (آل عمران:۸۵)
>
> ’اور جو کوئی چاہے سوا اسلام کی حکم برداری کے اور دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہو گا۔‘“

☆☆☆☆☆

دنیا کا دستور ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ جو چیز قوت کے زور پر لی جاتی ہے وہ آنسو بہانے اور آہیں بھرنے سے واپس نہیں آ جاتی! وہ قوت ہی کے زور پر واپس لی جاتی ہے! کیا خیال ہے کہ کوئی آپ کی بہو بیٹی پر راہ چلتے آوازہ کس دے تو آپ اس کے گھر کے باہر بینر لگاتے ہیں؟ وہاں وال چاکنگ کرتے ہیں؟ مجمع لگا کر تقریر جھاڑتے ہیں یا اپنے بھائیوں بھتیجوں کو لے کر اس کی ہڈی پسلی ایک کرتے ہیں؟ اپنی بیٹی ہو تو آپ کی بلا سے ملک کا قانون جائے بھاڑ میں! آپ کو تو اُس بدبخت کو سبق سکھانا ہوتا ہے۔ بیٹی کسی اور کی ہو تو ایک مظاہرے کے لیے بھی وقت مشکل سے نکل پاتا ہے! یہ لگایا ہے مول ہم نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا! یہی نسبت تو ہے جو کسی کی بیٹی کی عزت کو اپنی بیٹی جیسی عزت دلاتی ہے۔ کسی کی بہن کو اپنی بہن جیسا احترام دلاتی ہے۔ رہی شفاعت اور رہا حوضِ کوثر! ان پر تو ہمارا پیدائشی حق ہے! سچ تو یہ ہے کہ یہاں لینے کے باٹ اور ہیں، دینے کے باٹ اور! ہم سب اپنے اپنے ترازو میں اس نسبت کو تول لیں تو سمجھ میں آ جائے گا کہ عافیہ صدیقی اب تک اپنے گھر کیوں واپس نہیں آ سکیں!





---

[٦] کنز العمال:٦٨٨

آخر جہاد ہی سے لاپروائی کیوں؟

سنان الداعی

آٹھ سالہ درس نظامی کی تعلیم و تربیت میں بے شک ایک طالب علم اپنے اساتذہ کے سہارے اور دعاؤں ہی کی بدولت چل پاتا ہے۔ خدا کا یہ فضل خاص ہوتا ہے کہ اساتذہ بہت فکر مند اور تربیت پر پوری توجہ دینے والے ہوتے ہیں جنہیں اپنی دنیا سنوارنے کی کوئی غرض نہیں ہوتی لیکن آخرت کے ذخیرے کے لئے وہ تمام ذاتی اغراض و مفادات سے بالاتر ہو کر طالب علم کو نصیحت کرتے اور مشورے عنایت فرماتے ہیں۔ ان خدا پرست اور خدا ترس انسانوں کے احسان کا بدلہ اس دنیا میں بالکل نہیں چکایا جا سکتا سوائے اس کے کہ ایک احسان شناس ان کے لئے تہہ دل سے ربِّ ذوالجلال کی بارگاہ میں دعاگو رہے اور ان محسنین کی خدمت میں گاہے بگاہے عجز و نیاز و تشکر کی حاضری لگائے۔

ان سب امور سے ہٹ کر ایک چیز جو قابل غور ہے وہ یہ کہ جس نظام کے تحت زندگی کا یہ پہیہ چل رہا ہے اس کی خرابیوں اور اس کے باطل ہونے سے سب ہی واقف ہیں مگر پھر بھی جب کوئی اس کے خلاف دعوتِ مقاومت تو کجا خود اپنے طور ہی ہمت کر کے حق کے اس قافلہ سے جا ملنے کا ارادہ بھی رکھے تو اس کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، یہ کہہ کر کہ یہ قدم اکابر کی منشا و فکر نہیں ہے۔ اکابر و اسلاف اور علمائے ملت کا ہم فکر ہونا بلاشبہ اچھی ذہن سازی ہے مگر ہمارے یہاں اسی کو معیارِ حق تصور کر لینا اور دوسری کسی بھی شریعت سے مستنبط فکر کو رد کر دینا بھی ایک غلط روش ہے جو لاشعوری پور پر ہم اپناتے جا رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے، یہ سمجھنا کہ ہر معاملے میں موجودہ معروف و مشہور اکابر ہی کی رائے درست اور صرف درست نہیں ۱۰۰ فیصد درست ہے اور خطا سے منزہ ہے، بالکل غلط نظریہ ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کے پختہ ہو جانے کے بعد کوئی طالب علم یا فاضل ۱۰۰ فیصد درست اور شرعی بلکہ عزیمت پر مبنی قدم اٹھانے سے بھی ہچکچاتا ہے اور کشش و پیچ کا شکار رہتا ہے کہ یہ تو اکابر کی منشا کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ ایسا قدم نہ اٹھائے یا رجوع کر لے تو اس کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہو گی کہ اس نے اکابر کے ساتھ چلنے کو ترجیح دی۔ اسی نظریہ کو آڑ بنا کر ہم جیسے کمزور ایمان والے اپنی بزدلی بھی با آسانی چھپا جاتے ہیں، ساتھ ہی غیر شرعی نظام سے مفاہمت اور کفر کے حمایتی اور حمایت یافتہ حکمرانوں سے بھی کسی قدر راضی نظر آتے ہیں۔

بہت عجیب بات ہے کہ منصوص طریقے پر محنت کرنے اور عزیمت والے مبارک عمل یعنی جہاد کے لئے قدم اٹھانے (جس کا اوّل و آخر درجہ فرض ہی کا ہے) کو اکابر کی راہ سے بے راہروی اور غیر مناسب سمجھا جاتا ہے۔ ساری زندگی قرآن و سنت اجماع و قیاس پڑھنے کے بعد ایک نئی اصل کا اضافہ کیا جاتا ہے وہ ہے اکابر پرستی۔ اس اصل کو سامنے رکھ کر قرآن و سنت کے ذریعے معارضہ کرنا گستاخی تصور کیا جاتا ہے۔

جہاد آج کے عام مسلمانوں میں تو دور کی بات امت کے خاص طبقۂ اہل علم نے بھی اس سے غفلت برت رکھی ہے۔ نہ اس کا ویسا تذکرہ ہے جیسا اس کا حق ہے نہ اس پر ویسی تحریض و ترغیب ہے جیسا قرآن تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی جذبۂ جہاد اور شوق شہادت کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ ہاں قرآن میں وارد جہادی آیات کا پس منظر تو بتایا جاتا ہے، صحاح ستہ میں وارد احادیث بھی پڑھائی جاتی ہیں، صحابہ کرام کے واقعات بھی سنائے جاتے ہیں لیکن جب قربانی کا تقاضا رکھنے کی بات ہوتی ہے یا جہاد کی فقہ الواقع کے تناظر میں بات کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس طرف شاید کسی کا ذہن نہیں جاتا البتہ ان تمام منصوصات اور واقعات تاریخیہ کے بیان کے بعد دین کی خدمت کی رائج شکلوں (جن پر تنقید مقصود نہیں) کی خاطر اپنے آپ کو فارغ کرنے ۴۰ دن، ۴ مہینے، ایک سال، ساری زندگی کے لئے اپنے آپ کو متعارف شدہ تبلیغ، تدریس، سیاست جمہوریہ (جس کی شرعا کوئی گنجائش بھی نظر نہیں آتی) اور امامت و قراءت کے لئے تیار کرنے کی ترغیب چلتی ہے جبکہ یہ سارے ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہم ان کو مقصود سمجھتے ہیں کہ یہی آخرت کی کامیابی و کنجی ہیں۔

اس عظیم عمل کی تیاری اور اس پر اقدام کے لئے اگر کوئی اپنے اساتذہ سے مشورہ کرتا ہے تو اس کو اس جرأت سے باز رہنے اور کسی اور شعبے میں اپنے آپ کو مصروف رہنے کی تلقین کی جاتی ہے اور وجہ اس کی یہی ہوتی ہے کہ اکابر جب ہمیں اس میدان میں نظر نہیں آ رہے تو ہم کون ہوتے ہیں جانے والے؟ حالانکہ یہ بات سوچنے کی ہے کہ جن اکابرین نے یہ کام کیا وہ شہادت کی منزلیں پا کر جنتوں میں مزے کر رہے ہیں اور اب بھی بہت سی ایسی عظیم ہستیاں ہیں جو اس میدان میں مصروفِ عمل ہیں مگر چونکہ امت نے مجاہدین اور جہاد کو بیگانہ سمجھا لیا ہے تو ان اکابرین تک کسی کی رسائی نہیں یا ان کا پیغامِ جہاد ہم تک نہیں پہنچ پاتا اور آج کا دجالی میڈیا ہمیں اس عالی ہمت طبقہ کی سوچ و فکر سے دور رکھنے کے لئے ساری رکاوٹیں کھڑی کر رہا ہے اور ان کی صدا ہم تک پہنچنے سے روکتا ہے۔

بات یہ ہے کہ اکابر کا کسی عمل کا کرنا یا نہ کرنا اس کے جائز و مناسب ہونے کی دلیل نہیں اور عزیمت کی راہ کو تو بہر حال غیر مناسب کہا ہی نہیں جا سکتا۔ دلیل تو امت کے لئے عموماً اور طبقہ اہل علم اور ایک آٹھ سالہ علوم شریعت کی تعلیم حاصل کرنے والے فاضل کے لئے خصوصاً قرآن و سنت ہی ہے اس سے روگردانی کی کوئی صورت کسی صورت نظر نہیں آتی۔ میرے ناقص خیال کے مطابق اکابرین کے عمل یا ان کے طرز پر چلنے کی کوئی فضیلت یا اسی کو اختیار کرنے کی ترغیب قرآن و سنت میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ ہاں! اعمال کی اپنی فضیلتیں وارد ہیں اور قرون اولی مشہود لہا بالخیر کی فضیلت بھی مل جائے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی اور ان کو

مقتدا بنانے کے نصوص پندرھویں صدی کے اکابرین کو (ہر صورت اور عمل میں) مقتدا بنانے کی ترغیب سے زیادہ قوی ہیں اور اس پر کامیابی کی بشارتیں بھی ملتی ہیں۔ جہاد کے سفر کی ایک شام یا ایک صبح بلکہ غبار کے اڑنے والی فضیلت کا کون منکر ہو سکتا ہے؟ اللہ کی حبیب ﷺ نے ایک مجاہد کے جہاد کے سفر کو ایسے روزے دار اور قائم فی الصلاۃ کے اعمال کو جو اس کی سفر کی مدت تک جاری رہیں جس میں فطور و فتور نہ ہو، اس سے بھی زیادہ افضل قرار دیا ہے۔ شہادت کی تمنا تو نبی الملاحم ﷺ خود کرتے نظر آتے ہیں اور معرکوں میں اسے تلاش کرنے کی ترغیب بھی دے رہے ہیں۔ عاشقان اور فدائیان رسول ﷺ کوئی ایسی فرصت ضائع نہیں ہونے دیتے کہ جس میں شہادت فوت ہو بلکہ غسل جیسی فرض طہارت اور چند کھجوروں کا کھانا بھی ان کو شوق جنت کے سامنے گراں گزرتا ہے۔

اللہ کی راہ میں لڑنا، اپنا خون بہانا اور جان دے دینا اس سے بڑھ کر دین کی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے؟ مگر آج اس اہم ترین فریضہ سے ہمارے مدارس میں خاموش انداز میں دوری دکھائی جا رہی ہے۔ تبلیغ و تصوف کی بات تو ہو جاتی ہے، جمہوری سیاست میں اپنے کردار کو بھی اجلا دکھا دیا جاتا ہے مگر جہاد سے راہ کترائی جاتی ہے (حالانکہ جمہوری طرز صرف مختلف فیہ ہی نہیں بلکہ اپنی تمام غیر شرعی خامیوں سمیت ہم پر عیاں ہے جو اس کے ناجائز ہونے کی روشن دلیل ہے)۔ لیکن افغانستان کی فتح کا ہار بھی اپنے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ کہاں وہ افغان مسلم قوم جس نے اپنا خوں بہا کر شریعت الٰہی کو نافذ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور کہاں ہم کہ جن کو ان کے ساتھ شریک ہونے سے بھی یہ کہہ کر روک دیا جاتا کہ وہاں لڑنا کارآمد نہیں، مصلحت کے خلاف ہے، حکمت کا تقاضا نہیں۔ یہ سب باتیں تو فتح سے پہلے اربابِ مدارس ہی کرتے تھے اور جب فتح ہوئی تو خوشیاں ایسے منائی گئیں جیسے اپنے سارے ہی شاگردوں کو ہم نے وہاں پر جہادِ فرضِ عین میں حصہ لینے بھیجا ہو۔

کوئی بعید نہیں کسی کا عذر ہو کہ اسباب میسر نہیں، راستہ موجود نہیں یا متعارف تحریکوں پر اعتماد نہیں، لیکن ان لوگوں کو اس خیر سے کیوں روکا جاتا ہے جو اسباب کی عدم موجودگی کا عذر نہ رکھتے ہوں؟ جن کو راستہ دکھائی دیتا ہو اور کسی قابل اعتماد تحریک کے ساتھ چلنا چاہ رہے ہوں؟ دیوبند میں موجود عظیم علمی درسگاہ کی بنیاد میں تو یہی بات شامل تھی کہ استعمار کا مقابلہ کی تیاری کا مرکز ہو گا مگر شیخ الہند اور ان کے تلامذہ کے بعد ان کے نقش قدم پر چلنا حکمت و مصلحت کے خلاف ہو چکا ہے؟ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آٹھ سال قال اللہ و قال الرسول پڑھنے کے بعد قرآن و سنت کو دیکھا ہی نہ جائے اور اپنی دانست میں صرف اکابر کا دامن تھام لیا جائے؟ اس کو زندگی کا ایسا جزوِ لازم قرار دینا کہ جس سے دیگر نصوص پر عمل فوت ہونے کی پرواہ نہ کی جائے اور اس ترک عمل کو اکابر پر تکیہ کر کے چھوڑ دیا جائے کہ ان کے فہم کے مطابق عمل کریں گے حالانکہ عمل سرے سے مفقود ہو، یہ بات ٹھیک نہیں۔

واضح رہے کہ اکابرین کا اوّلین مصداق بعد الانبیاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو انہیں دنیا سے جانے والوں کی اتباع کی وصیت فرماتے ہیں کہ زندوں پر فتنے کا بہر حال اندیشہ ہے اور جانے والا بخیر و عافیت ایمان کے ساتھ دنیا سے چلا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کی فتنوں سے حفاظت فرمائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر کوئی چلا ہے تو وہ قرونِ اولی مشہود لہا بالخیر کے عظیم لوگ ہیں۔

اسی دور میں احادیث کی تدوین ہوئی اسی دور میں فقہ کی جزئیات کا احاطہ بھی کیا گیا اور اس کی تبویب بھی کی گئی۔ اسی دور میں جہاد، امارت و قضاء سمیت زندگی کے تمام شعبوں کے مسائل و احکام اکٹھے کیے گئے اور وہی ہمارے لئے قابل عمل اور لائق تنفیذ ہیں۔ ادوار میں تبدیلی آ جانے کے بعد ان کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح جدید تجارت، سرمایہ کاری، دیوان و اوقاف کے مسائل انہی کی کتابوں کے سہارے مرتب کیے گئے ہیں اور ان پر عمل کیا جاتا ہے اسی طرح جمہوریت کے باطل نظام سے ٹکرانے کے لئے بھی فقہاء کی کتابوں کے قرآن و سنت سے مستنبط ان جرأتمندانہ فیصلوں کو ہی نمونہ و قابل عمل بنایا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس امت کے آخر کی اصلاح ویسے ہی ہو گی جیسے اس کے پہلوں کی ہوئی تھی۔ پہلوں کی اصلاح کا نصاب قرآن و سنت تھا کہ جس کو تھام کر جہاد کیا جا رہا تھا اور امت کا سر فخر سے بلند تھا۔ اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ امت رسوا ہی جہاد کے ترک کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے اور یہ خبر تو اللہ کے رسول ﷺ بتا چکے تھے مگر ہم اس سے شاید بے خبر ہوں۔ امید ہے اگر باخبر ہو گئے تو اس راہ کو ضرور اپنائیں گے۔ اکابر سے عقیدت تو ایک اہم چیز ہے مگر ان کے نظریہ اور عمل کو اپنا عقیدہ بنا لینا اور اس کو کسی صورت چاہے وہ شریعت کا تقاضا ہی کیوں نہ ہو، نہ چھوڑنا اور واضح حکم شرعی کے متوجہ ہوتے ہوئے اور اس کے سمجھ آ جانے کے بعد بھی ان کی رائے اور حکم کو بلا تحقیق و فہم مقدم رکھنا درست طریقہ نہیں۔ کاش کہ اربابِ مدارس اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس فریضہ کی طرف توجہ دیں ورنہ اس امت کو مزید گمراہیاں اور زوال ہی دیکھنے کو ملے گا اور پھر ہم ہی سے روز محشر سوال ہو گا کہ آخر کیوں نہ محبوب دو عالم ﷺ کی امت کو ذلت اور پستی سے نکالنے کی سعی مطلوب و مشروع نہ کی؟ اور کیوں ان غیر شرعی وسیلوں (یعنی جمہوریت اور الیکشن) ہی کو اپنائے رکھا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا رہے؟

آخر میں مولانا عامر عثمانی مرحوم کے ان اشعار کے ساتھ اس تحریر کا خاتمہ کچھ حسن خاتمہ ہو گا کہ:

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۵ پر)

خواب سے حقیقت تک

"تمہاری ذمہ داری صرف وعظ و نصیحت تک محدود نہیں، بلکہ تم پر لازم ہے کہ تم اپنے جسم، ذہن اور مال سے بھی دین کی سربلندی کی محنت کے لیے تیار رہو"

عمارہ رشید

"اُٹھو بیٹا، فجر کا وقت ہو چکا ہے!"

یوسف کی ماں نے اسے ہلایا تو وہ چونک کر جاگا۔ خواب ابھی بھی اس کی آنکھوں میں تازہ تھا۔ اس نے خود کو ایک میدانِ جنگ میں دیکھا تھا، جہاں مسلمان نہتے تھے، اور دشمن جدید ہتھیاروں سے لیس، ہر طرف خاک اور خون کا منظر تھا۔ اس نے گھبرا کر کہا،

"ہم کمزور کیوں ہیں؟" اور ایک گرجتی آواز آئی، "کیونکہ تم نے طاقت کا راز بھلا دیا!"

یوسف ہڑبڑا کر اٹھا، وضو کیا اور مسجد کی طرف روانہ ہوا، مگر اس کے ذہن میں خیالات کا طوفان تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے اس نے تبلیغی جماعت کے ساتھ چِلّے لگائے تھے، مختلف شہروں میں جا کر لوگوں کو دین کی طرف بلایا تھا، ساتھ ہی وہ ایک مذہبی سیاسی جماعت کا کارکن بھی تھا، وہ دسیوں مظاہروں اور دھرنوں میں بھی شریک ہو چکا تھا۔ مگر اب وہ دیکھ رہا تھا کہ دنیا میں مسلمانوں پر ظلم بڑھتا جا رہا ہے۔ فلسطین، کشمیر، برما، شام اور خاص طور پر افغانستان — جہاں کفری طاقتوں نے اسلام کی سرزمین کو اپنے پنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔

"کیا محض زبانی دعوت و تبلیغ اور یہ مظاہرے اور دھرنے کافی ہیں؟" وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔ "اگر اسلام کو بچانے کے لیے صرف باتیں کرنی ہوتیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک اسلامی حکومت کیوں قائم کرتے؟ اگر طاقت ضروری نہ ہوتی، تو کیا بدر، احد، اور خندق کے معرکے ہوتے؟ کیا خیبر، مکہ اور طائف بنا جنگوں کے فتح ہوئے تھے؟"

فجر کے بعد، وہ سیدھا اپنے استاد، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس پہنچا اور سوال کیا: "مولانا! مجھے بتائیں، کیا اسلام صرف وعظ و نصیحت کا دین ہے، بس مظاہرے کرنا اور حکمرانوں کے سامنے اپنے مطالبات رکھنا اس دین کا تقاضا ہے، یا ہمیں اپنی حفاظت کے لیے کچھ اور بھی کرنا ہو گا؟"

مولانا مسکرا دیے، "بیٹا، تمہارا سوال بتا رہا ہے کہ تم جاگ چکے ہو! اسلام صرف الفاظ کا دین نہیں، یہ عمل اور طاقت کا بھی دین ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں تیرہ سال تبلیغ کی، مگر جب طاقتور دشمنوں نے ظلم کی انتہا کر دی، تو میدانِ جہاد میں اترے اور مدینہ میں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم کی، جہاں اللہ کا حکم نافذ ہوا اور اسلام کی قوت پروان چڑھی"۔

یوسف کے دل میں آگ سی بھری ہوئی تھی۔ "مگر مولانا! آج افغانستان میں مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے، مساجد کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں، عالمی طاقتیں اسلام کے خلاف برسرِپیکار ہیں، اور ہم صرف زبانی جمع خرچ میں لگے ہیں؟"

مولانا کی آواز رندھ گئی۔ "یہی تو مسئلہ ہے بیٹا! ہم نے امت کو کمزور کر دیا ہے۔ ہمیں نہ صرف دین سکھانا ہے، بلکہ امت کو طاقتور بھی بنانا ہے، جیسے محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی، اور نورالدین زنگی نے کیا تھا"۔

یوسف کو یہ الفاظ دل میں اترتے ہوئے محسوس ہوئے۔ یہ گفتگو یوسف کے لیے ایک نئے سفر کا آغاز تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ صرف گفتار کا غازی نہیں بنے گا، بلکہ ایک ایسا نوجوان بنے گا جو اپنے دین کی حفاظت کے لیے بھی تیار ہو، کردار کا غازی!

وہ افغانستان چلا گیا، جہاں اس نے مجاہدین کی کوششوں اور جہاد کو قریب سے دیکھا۔ بچے یتیم ہو چکے تھے، بوڑھے بے گھر تھے، مائیں اپنے پیاروں کی لاشوں پر رو رہی تھیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ہمت نہیں ہار رہے تھے، جو اپنی سرزمین پر اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے لڑ رہے تھے۔

"یہی وہ لوگ ہیں جو تاریخ بدلیں گے!" یوسف نے خود سے کہا۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ صرف جذباتی تقریریں نہیں کرے گا، بلکہ عملی قدم اٹھائے گا، اور پہلا کام یہ تھا کہ وہ خود مجاہدین کے ایک معسکر میں پہنچا، اللہ کے دین میں جہاد و قتال کا پہلا قدم اعداد و تیاری ہی تو تھا۔

اگلا مرحلہ اپنے ہم فکر نوجوانوں کو اپنے وطن سے مسلمانوں کی اس سرزمین پر لانا تھا جہاں ایمان و مادیت کی جنگ اپنے عروج پر تھی۔ اس کے ساتھی دوستوں یاروں نے اس کی دعوت کو قبول کیا، ان ساتھیوں کی کئی، کئی کئی فنون کے ماہر تھے۔ انہوں نے تورہ بورہ کے پہاڑوں اور غاروں میں امت کے مجاہد نوجوانوں کے لیے ایک تعلیمی اور دفاعی تربیتی مرکز بنایا۔

یہاں وہ جدید ٹیکنالوجی، جنگی حکمت عملی، اور خود دفاع کی تربیت دینے لگے۔

اس نئے معسکر میں کچھ نے ڈاکٹری سیکھی، تاکہ زخمیوں کی مدد کر سکیں۔ کچھ نے سائبر سکیورٹی سیکھی، تاکہ دشمن کی جاسوسی اور سائبر جنگ کو ناکام بنا سکیں۔ کچھ نے فضائی دفاعی تربیت کے دورہ جات کیے، تاکہ وہ اس مسلم سرزمین کی حفاظت کر سکیں۔

وقت گزرتا گیا۔ یوسف جیسے جوانوں کی محنت رنگ لائی۔

☆☆☆☆☆

امارتِ اسلامیہ افغانستان نے اپنی سرزمین پر قابض افواج کے خلاف فیصلہ کن جنگ کا آغاز کیا، تو ان کے ساتھ یوسف جیسے جری نوجوان بھی تھے، جو نہ صرف ایمانی قوت رکھتے تھے بلکہ جدید ترین جنگی مہارتوں سے بھی لیس تھے۔

”یہ اسی امت کے نوجوان تھے جو کبھی بدر میں مٹھی بھر تھے، مگر ایمان اور مقدور بھر طاقت و قوت کے ساتھ میدان میں لڑنے کے سبب غالب آ گئے!“ یوسف نے کہا۔

بالآخر افغانستان مکمل آزاد ہوا اور امارتِ اسلامیہ نے شریعت کا نفاذ کیا۔ چاروں طرف خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے۔ شریعت کے نفاذ کے ساتھ ہی سود کا خاتمہ ہوا، اسلامی عدالتیں بحال ہوئیں، خواتین کو شرعی پردہ دیا گیا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حدود اللہ کے نفاذ کے باعث جرائم کی شرح گھٹ گئی، اور امن و انصاف کی فضا قائم ہو گئی۔ تجارت اور زراعت کو اسلامی اصولوں پر استوار کیا گیا، معیشت مضبوط ہوئی، اور عوام خوشحال ہونے لگے۔

بازاروں میں برکت نظر آنے لگی، اشیائے ضروریہ کی قیمتیں کم ہو گئیں، زکوٰۃ اور بیت المال کے نظام سے غریبوں کی مدد ہونے لگی۔ تعلیمی اداروں میں جہاں کل تک محض سائنس ہی اول و آخر تھا وہ دینی تعلیم کو یکجا کیا گیا تاکہ ایک مضبوط اور باعمل نسل پروان چڑھے۔

یوسف ایک پہاڑی پر کھڑا تھا، اس کی نظریں کابل میں قبۃ الصخراء کی طرز پر تعمیر کردہ اس مسجد پر تھیں، جہاں اذان کی صدا گونج رہی تھی۔ نمازی جوق در جوق مسجد میں داخل ہو رہے تھے، اسلامی پرچم ہوا میں لہرا رہا تھا۔

یہ وہی خواب تھا جو اس نے برسوں پہلے دیکھا تھا، اور آج وہ حقیقت میں بدل چکا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر یہ آنسو غم کے نہیں، خوشی کے تھے۔ اور ماضی کا وہ خواب جھلملانے لگا جو بیداری کا سبب بنا اور ”یہی وہ دن ہے جس کے لیے میں نے خود کو بدلا تھا، جس کے لیے میں نے علم حاصل کیا، فی سبیل اللہ اعداد و تیاری کی، اور اپنی امت کو بیدار کیا!“

اس نے آسمان کی طرف دیکھا، جیسے اپنے رب کا شکر ادا کر رہا ہو، جس نے اسے وہ دن دکھایا جس میں اسلام کا پرچم سربلند ہے، مکمل شریعت نافذ ہے۔

وہ بھی باقی نمازیوں کے ساتھ شامل ہو کر مسجد کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ تو اس کے خواب کے پہلے حصے کی تعبیر تھی۔ ابھی اس کے اپنے وطن، کشمیر و ہند، برما و فلپین اور اندلس و اقصیٰ کو بھی آزاد کروانا تھا...... خواب کی مکمل تعبیر ابھی باقی ہے!

وقتِ فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

☆☆☆☆☆

بقیہ: سیرتِ رسول کے سائے میں

رسول اللہ ﷺ کی خاطر غیرت میں آنا حبِ رسول اور تعظیمِ رسول کی واضح علامت ہے، کیونکہ جو کسی سے محبت کرتا ہے اور اسے بڑا مانتا ہے تو اس کی گستاخی اس سے برداشت نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کی خاطر غیرت میں آنا دل کی زندگی کی یقینی علامت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی شان میں صلیبیوں کی دریدہ دہنی اور اس پر امت کے ردِ عمل نے یہ ثابت کیا ہے کہ ابھی اس امت کی نبضیں چل رہی ہیں اور یہ اپنے دین پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے پر آمادہ ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت چلی آ رہی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے وہ کام کرواتا ہے جس سے دشمن ہلاک ہوتا ہے اور امت کے لیے اس میں خیر ہوتی ہے، جیسے ابو جہل کا رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بن گیا، انہوں نے ابو جہل سے کہا: تو میرے بھتیجے کو برا بھلا کہتا ہے، جبکہ میں خود اس کے دین پر ہوں۔ پھر آپ نے اپنی تلوار ابو جہل کے سر پر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا۔

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ (سورۃ الانفال: ۳۰)

”وہ کفار اپنے منصوبے بنا رہے تھے اور اللہ اپنا منصوبہ بنا رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدترین گستاخیوں کے اس سلسلے نے ثابت کر دکھایا ہے کہ کفار کے مقابلے میں مجاہدین اکیلے صف آرا نہیں، بلکہ پوری امت مجاہدین کے ساتھ کھڑی ہے، یہ روح امت میں جتنی زیادہ بیدار ہو گی فتح و تمکین بھی اتنی جلدی حاصل ہو گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆



الشوک والقرنفل
کانٹے اور پھول ۳

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحییٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت 'الشوک والقرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

چوتھی فصل

پوری رات یا تو میں اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا یا اس کے بارے میں بات کر رہا تھا اور اپنے بھائیوں سے کچھ باتیں پوچھ رہا تھا، یا خواب دیکھ رہا تھا، کیونکہ کل میرا اسکول میں پہلا دن تھا، سونے سے پہلے میں نملیہ کی طرف گیا، جو کہ ہمارے کمرے میں ایک چھوٹی سی الماری تھی اور کپڑے نکال کر پہننے لگا اور اپنے نئے جوتے پہن لیے، جب میری ماں نے مجھے دیکھا تو چلائیں، کیا کر رہے ہو احمد؟ میں نے آہستہ سے جواب دیا، 'اسکول کے لیے تیار ہو رہا ہوں'، وہ ہنسنے لگیں اور بولیں، ابھی صبح ہونے میں کافی وقت باقی ہے۔

صبح سویرے میں اپنے دادا کی دعاؤں اور نماز کی آواز پر جاگ گیا اور اس کے بعد سو نہ سکا، جیسے ہی میری ماں نیند سے جاگیں، میں فوراً اپنے بستر سے اٹھ کر اسکول کے لیے تیار ہونے لگا، کچھ دیر بعد ماں نے میرے بھائیوں کو جگایا اور میرے بھائی محمود کو بھیجا کہ وہ دوسرے کمرے میں میرے چچازاد بھائیوں کو جگا دے، جو دادا کے ساتھ سوتے تھے، میری ماں نے مجھے بہترین طریقے سے تیار کیا، جیسے کہ میں اپنی شادی میں جا رہا ہوں، اور مجھے بہت سی نصیحتیں کیں، اور میری تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میں 'سمارٹ' اور بڑا ہو گیا ہوں، پھر انہوں نے ہم میں سے ہر ایک کو شلنا دیا، جو اسرائیلی لیرہ[1] کے پانچ اغورات[2] کو کہا جاتا ہے، اور ہم سب کے خالی بیگ میں ایک روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا۔

میری ماں نے میرے بھائی محمود کو میرا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی، کیونکہ محمد تیسرے گریڈ میں تھا اور وہ تیسری جماعت میں تھا اور میرے ساتھ ہی اسی اسکول میں، ذکور اللاجئین الابتدائیة (ا) میں تھا، میری بہن مہا اس وقت پانچویں جماعت، إناث اللاجئين الابتدائية (ب) میں تھی، اور میرا بھائی حسن پہلی جماعت، ذکور اللاجئين الإعدادية (أ) میں تھا، میری بہن فاطمہ تیسری جماعت، إناث اللاجئين الإعدادية (ا) میں تھی، میرا بھائی محمود دوسری جماعت میں 'مدرسة الكرمل' میں تھا، میرا چچازاد ابراہیم دوسری جماعت میں میرے ہی اسکول میں تھا، اور میرا چچازاد حسن پہلی جماعت میں 'مدرسة الكرمل' میں تھا، ہم سب ایک ساتھ گھر سے نکلے، میرا بھائی محمد میرا ایک ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور میرا چچازاد ابراہیم میرے دوسرے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھا۔ میں نے اپنے کپڑے کا بیگ اپنے گلے میں لٹکا لیا اور ہم اپنے اسکولوں کی طرف روانہ ہو گئے، کچھ فاصلے کے بعد ہم مختلف گروپوں میں الگ ہو گئے اور ہم تینوں ساتھ رہ گئے۔

گلیاں لڑکوں اور لڑکیوں سے بھری ہوئی تھیں، ہماری طرح ہر جماعت اپنے راستے سے اسکول کی طرف جا رہی تھی، لڑکے مختلف رنگوں اور شکلوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، جبکہ لڑکیاں ایک یکساں لباس پہنے ہوئے تھیں جسے 'مریول' کہتے ہیں، یہ سفید اور نیلے رنگ کی دھاریوں والا کپڑا تھا، ہر رنگ کی دھاری آدھے سینٹی میٹر کی تھی، اور انہوں نے اپنے بالوں کو سفید ربن سے باندھ رکھا تھا، ہم لڑکوں کی پہچان ہمارے بالوں سے ہوتی تھی جو بالکل چھوٹے یا تقریباً صفر نمبر کے کٹے ہوتے تھے، ہم اسکول پہنچے جہاں مردوں اور عورتوں کے کچھ خوانچہ فروش تھے، کچھ اپنی چیزیں چھوٹی گاڑیوں پر لے کر آئے تھے اور کچھ نے انہیں چھوٹے چھوٹے سٹالوں پر سجا رکھا تھا، ہم اسکول کے اندر داخل ہوئے تو ایک بہت بڑا میدان تھا، جس میں اونچے درخت تھے، اور میدان کے ارد گرد کئی کمرے تھے، داخلے پر ایک چھوٹا سا باغ تھا جس میں پھول اور پودے تھے اور ایک تالاب (پانی کا حوض) بھی تھا، میرے بھائی محمد نے مجھے اسکول کے بارے میں بتایا، یہ پہلی کلاس (اے) ہے، یہ پہلی کلاس (بی) ہے، اور یہ پہلی کلاس (سی) ہے، یہ

---

[1] اسرائیلی لیرۃ، اسرائیل کی سابقہ کرنسی تھی جو ۱۹۸۰ء تک استعمال ہوتی رہی، ۱۹۸۰ء میں، اسرائیلی لیرۃ کی جگہ "اسرائیلی شیکل" نے لے لی، اور بعد میں ۱۹۸۵ء میں "نیا شیکل" متعارف کرایا گیا۔ اسرائیلی لیرۃ کا استعمال اسرائیل کے قیام کے بعد شروع ہوا تھا اور یہ ملک کی ابتدائی معاشی تاریخ کا حصہ ہے، اس کرنسی کی تبدیلی اور نئے شیکل کی متعارف کرانے کا مقصد تھا کہ ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا جائے اور افراط زر کو کنٹرول کیا جائے، آج اسرائیل کی موجودہ کرنسی 'نیو اسرائیل شیکل' ہے جو کہ عالمی مالیاتی نظام میں بھی قبول کی جاتی ہے۔

[2] اسرائیلی اغورات (agorot) اسرائیلی کرنسی کا ایک حصہ ہیں، اسرائیلی کرنسی شیکیل (shekel) ہے، اور ایک شیکیل کو ۱۰۰ اغورات (agorot) میں تقسیم کیا جاتا ہے، یعنی اغورات شیکیل کے چھوٹے یونٹس ہیں، جیسے کہ امریکی ڈالر میں سینٹس ہوتے ہیں، اغورات کے مختلف سکے ہیں، جیسے ۱۰ اغورات، ۵۰ اغورات وغیرہ، یہ سکے اور نوٹ اسرائیل کے مرکزی بینک، بینک آف اسرائیل، کی طرف سے جاری کیے جاتے ہیں۔

دوسری کلاسیں ہیں، یہ تیسری کلاسیں ہیں، یہ اساتذہ کا کمرہ ہے، یہ ناظم (پرنسپل) کا کمرہ ہے، یہ کینٹین ہے، یہ بیت الخلاء ہیں، اور یہ پانی پینے کے نل ہیں۔

جب صبح کی گھنٹی بجی تو اساتذہ آئے اور پرانے طلباء کی صفوں کو ترتیب دینے لگے، پرانے طلباء جلدی سے ترتیب میں کھڑے ہو گئے، لیکن ہم نئے طلباء کو، جو پہلی کلاس میں تھے، اساتذہ نے اکٹھا کیا اور ہمارے نام پکارنے لگے، اور جن کا نام پکارا جاتا وہ ایک طرف کھڑے ہو جاتے، اس طرح ہمیں تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا، اور ہر گروپ کو ایک استاد لے گیا، ہمارے استاد ایک شیخ تھے جو جبہ پہنے ہوئے تھے اور ان کے سر پر 'طربوش'[3] تھی، یعنی وہ ایک ازہری شیخ تھے۔

ہمیں پہلی ابتدائی کلاس (اے) میں لے جایا گیا، وہاں استاد نے ہمیں قد کے حساب سے ترتیب دیا، سب سے چھوٹے کو پہلے رکھا، ہر گروپ میں تین افراد تھے اور ہر تین افراد ایک لکڑی کے بنچ پر بیٹھتے تھے، ہم ایک لکڑی کے تختے پر بیٹھتے تھے، جس کی لمبائی ایک میٹر سے زیادہ اور چوڑائی تقریباً پچیس سینٹی میٹر تھی، اور ہمارے سامنے ایک اور تختہ ہوتا تھا، جس کی لمبائی وہی اور چوڑائی تقریباً چالیس سینٹی میٹر ہوتی تھی، جہاں ہم اپنی کتابیں اور کاپیاں رکھتے تھے، نیچے ایک اور تختہ ہوتا تھا جہاں ہم اپنے بستے رکھتے تھے، اور یہ سب کچھ لکڑی کے ستونوں سے جڑا ہوا تھا، اور اسے 'بینچ' کہا جاتا تھا۔ ہر کلاس میں تین صفیں ایسے بینچوں کی ہوتی تھیں، ہر صف میں تقریباً سات بینچ ہوتے تھے اور ہر بینچ پر تین طلباء بیٹھتے تھے، ہر صف کے درمیان تقریباً ڈیڑھ میٹر کا فاصلہ ہوتا تھا، کمرے کے درمیان میں، ان بینچوں کے سامنے، استاد کی میز اور کرسی ہوتی تھی، اور دیوار پر ایک کالا تختہ ہوتا تھا جسے ہم 'سبورہ' (بورڈ) کہتے تھے۔

ہم میں سے ہر ایک اپنے مقررہ نشست پر بیٹھ گیا جو استاد نے ہمیں دی تھی، استاد نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ شیخ حسن ہیں، اور پھر ہم سے ایک ایک کر کے ہمارا تعارف لینے لگے، ہر ایک سے اس کا نام پوچھتے، اور پھر اس کے والد، چچا، اور دادا کے بارے میں پوچھتے، یہاں تک کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ ہمارے تمام اہل و عیال کو جانتے ہیں۔ جب میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میرا نام احمد ابراہیم الصالح ہے، تو شیخ حسن نے بلند آواز میں دعا کی اور ہاتھ اٹھا کر کہا: اللہ آپ کے والد کو سلامت واپس لائے، تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ جانتے ہیں کہ میرے والد غائب ہیں اور ہمیں ان کا پتہ نہیں ہے۔

کچھ دیر بعد ہماری کلاس میں کتابیں، کاپیاں، پنسلیں، اور ربڑ لائے گئے، اور شیخ حسن نے ان چیزوں کو تقسیم کرنا شروع کیا، ہر ایک کو پڑھنے کے لیے ایک املاء کی کتاب ملی جو خوبصورت رنگین تصویروں سے بھری ہوئی تھی، اور نیچے ایسی تحریر تھی جسے ہم ابھی نہیں پڑھ سکتے تھے، ایک حساب کی کتاب، اور قرآن پاک کا تیسواں پارہ۔ ہر ایک کو پانچ کاپیاں، پانچ پنسلیں، اور ایک ربڑ دی گئی، کاپی کے غلاف کا رنگ سبز اور سرخ تھا، جس پر اقوام متحدہ کی تعلیمی شاخ یونیسکو کا نشان بنا ہوا تھا۔ پھر شیخ حسن نے ہمیں ان چیزوں کا تعارف کرایا جو ہمیں دی گئی تھیں۔ یہ املاء کی کتاب ہے، یہ حساب کی کتاب ہے، یہ کاپیاں ہیں، تین کاپیاں اپنی ماؤں کے پاس رکھواؤ، ایک کو پڑھائی کے لیے اور ایک کو حساب کے لیے مخصوص کر دو، ہر روز املاء کی کتاب، حساب کی کتاب، تیسواں پارہ، دو کاپیاں، ایک پنسل، اور ایک ربڑ لے کر آنا۔ پھر انہوں نے ہر ایک کی چیزوں پر خوبصورت اور شاندار سیاہ روشنائی سے اس کا نام لکھا۔

تعلیمی دن ختم ہوا، محمد اور میرے چچا زاد ابراہیم نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے، ہر ایک نے اپنا کپڑے کا بستہ اٹھا رکھا تھا جو کاپیوں سے بھرا ہوا تھا۔ دن گزرتے گئے اور میں پڑھائی، لکھائی، اور حساب سیکھنے لگا، اور باقی طلباء کی طرح میں بھی کچھ چھوٹی سورتیں حفظ کرنے لگا۔ ہم سب مل کر اسکول جاتے، وقفے میں نکلتے، جس میں ہم کھیلتے اور وہ سینڈوچز کھاتے جو ہماری ماں نے ہمارے لیے تیار کیے ہوتے، جن میں دُقَّة یا کٹی ہوئی مرچ بھری ہوتی، اور کبھی کبھار عربی پنیر بھی ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ہم سکول کے دروازے پر بیٹھی ہوئی عورتوں سے آدھی روٹی کے بدلے کچھ لبنہ خرید لیتے تھے اور جب ہم اسے چباتے تو وہ نکل جاتی تھی اور اس کا کھٹا ذائقہ سب سے مزیدار ہوتا تھا، گھر واپس آتے، دوپہر کا کھانا کھاتے، اور پھر محمود اور حسن میرے ماموں صالح کی فیکٹری پر چلے جاتے۔ ہم وقت کھیل میں گزارتے، یا اسکول کی کتابیں پڑھتے اور شیخ حسن کے دیے ہوئے کام کرتے، کبھی رات میں ہم سب غسل کے طشت کے ارد گرد جمع ہوتے، اسے الٹ کر اس کے درمیان چراغ رکھتے، اور ہر ایک اپنی کتاب یا کاپی اس پر رکھتا اور زمین پر بیٹھ کر پڑھائی کرتا، میری ماں اور باقی جو پڑھائی نہیں کرتے تھے، ہمارے قریب بیٹھ کر باتیں کرتے۔

کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا تھا کہ ہم لاؤڈ اسپیکر کی آواز نہ سنیں جو کرفیو کے نفاذ کا اعلان کرتا، جس سے ہم سمجھ جاتے کہ کسی فدائی نے قابض افواج کے خلاف کوئی کارروائی کی ہے، جیسے کہ دستی بم پھینکنا یا کسی پیٹرولنگ پارٹی پر فائرنگ کرنا، جب بھی قابض افواج کیمپ میں داخل ہونے کی کوشش کرتی تو فدائی ان کا مقابلہ کرتے اور وہ ناکام واپس لوٹتی، اس سال کا نیا واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پڑوسی ابو یوسف شہید ہو گئے، ابو یوسف دو اور نوجوانوں کے ساتھ اپنی ایک فدائی کارروائی کے لیے نکلے تھے جن کا مقصد روزانہ ایک ہی وقت میں گزرنے والی پیٹرولنگ پارٹی پر حملہ کرنا تھا، منصوبہ یہ تھا کہ ایک نوجوان پارٹی پر بم پھینکے اور پیچھے ہٹتے ہوئے انہیں دکھائے کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے، اور اس کے پیچھے ہٹنے کے راستے میں ابو یوسف اور دوسرا فدائی کارلوستوف

---

[3] طربوش (Tarbush) ایک روایتی ٹوپی ہے جو عام طور پر سرخ رنگ کی ہوتی ہے اور اس کے اوپر ایک لٹکن لگی ہوتی ہے۔ یہ ٹوپی مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے کئی ممالک میں بالخصوص خلافت عثمانیہ کے دور میں بہت مقبول تھی۔ مصر میں جامعہ ازہر کے شیوخ اور دیگر روایتی لباس پہننے والے اسے پہنتے ہیں۔ (ادارہ)

بندوقوں اور دستی بموں کے ساتھ گھات میں بیٹھے تھے، تاکہ اس کا پیچھا کرنے والی کمک کا انتظار کر سکیں، لیکن جب وہ نوجوان اپنی کارروائی کے لیے انتظار کر رہا تھا تو پیچھے سے فوجی اس پر حملہ آور ہو گئے اور ابو یوسف اور اس کے ساتھی ابراہیم پر اچانک حملہ کر دیا اور انہیں گولی مار کر شہید کر دیا۔

اس بار قابض افواج نے کیمپ میں کرفیو نافذ نہیں کیا، کیمپ کے تمام مرد، عورتیں، بوڑھے اور بچے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور زیادہ تر ابو یوسف کی شہادت پر رو رہے تھے، شہداء کا عظیم الشان جنازہ نکالا گیا، جس میں کیمپ کے تمام باشندوں نے شرکت کی اور نعرے لگائے: "بالروح بالدم نفديك يا شهيد ... بالروح بالدم نفديك يا فلسطين"، اور جنازے کو کئی بار پورے کیمپ میں گھمایا گیا، پھر انہیں قریب کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا، اس دن عصر کے وقت میرے دادا مجھے اپنے ساتھ گھر کے کونے میں لے گئے جہاں محلے کے کچھ مرد اور بزرگ جمع ہوتے تھے، باتیں کرتے تھے اور موجودہ حالات اور تازہ ترین پیش رفت پر بحث کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ آج کی گفتگو ابو یوسف اور اس کے ساتھیوں کی شہادت کے بارے میں تھی اور سب حیران تھے کہ یہ کیسے ہوا، ایک آدمی نے کہا: گروپ کو اچانک پکڑ لیا گیا (دھوکے سے)، دوسرے نے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟ تو اس کے ساتھی نے جواب دیا: گولیاں ان کی پشت سے چلائی گئیں، یعنی اس رخ سے جس طرف سے وہ دشمن کی توقع نہیں کر رہے تھے، ایک تیسرے نے پوچھا: کیا کہہ رہے ہو بھائی؟ تو اس نے جواب دیا: جیسا کہ میں نے سنا، میرے دادا نے پوچھا: کیا اس کا مطلب غداری اور دھوکہ ہے؟ تو آدمی نے کہا: میں کیسے جان سکتا ہوں؟ یہی ہوا ہے، ایک اور نے دہراتے ہوئے کہا: یہ تو عقل اڑا دینے والی بات ہے، اللہ ابو یوسف پر رحم کرے اور ہمیں آپ کا اچھا بدل دے۔

چند دن بعد جب سورج غروب کے قریب تھا اور حسب معمول کرفیو کے نفاذ کا وقت قریب آ رہا تھا، ہم گلی میں کھیل رہے تھے کہ اچانک کئی نقاب پوش مسلح فدائی افراد جمع ہو گئے اور ہر ایک نے گلی کے سرے پر اپنی پوزیشن سنبھال لی، پھر 'ابو حاتم' آیا اور کیمپ کے ایک آدمی کو اس کے کان سے گھسیٹتا ہوا لایا، اس آدمی کو ذلت و رسوائی سے لایا جا رہا تھا، ابو حاتم کے ہاتھ میں ایک بانس کی چھڑی تھی اور اس کے کندھے پر بندوق لٹک رہی تھی، ہم سب نے کھیلنا چھوڑ دیا اور کھڑے ہو گئے اور محلے کے لوگ بھی جمع ہونے لگے اور اپنے گھروں سے جھانکنے لگے، ہاتھ میں چھڑی پکڑ کر کھڑے ابو حاتم نے اس آدمی کو، جو اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اور زیادہ سے زیادہ اپنے جسم کو جھکا رہا تھا، لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

ایک گہری خاموشی چھا گئی، جسے ابو حاتم کی گونج دار آواز نے توڑ دیا: اے لوگو، تم سب ابو یوسف کو جانتے ہو، جو کیمپ میں عوامی آزادی فوج کے قائد تھے اور تم نے ان کی بہادریوں اور کاروائیوں کے بارے میں سنا ہے جنھوں نے ہم سب کا سر فخر سے بلند کیا اور قابضین کو سبق سکھایا اور تم سب اس ذلیل کے بارے میں بھی جانتے ہو جو کہ جاسوس نکلا اور یہ وہی ہے جس نے ابو یوسف کی جاسوسی کی اور یہودی فوج کو اطلاع دی، کیمپ کے تمام لوگ مبہم اور نہ سنائی دینے والے الفاظ میں بڑبڑانے لگے، ابو حاتم نے اپنی لاٹھی ہوا میں بلند کی اور چلّا کر اس آدمی سے پوچھا: او ذلیل، لوگوں کے سامنے بتا کہ کیا ہوا تھا، آدمی نے غیر واضح الفاظ میں کچھ کہا تو ابو حاتم کی لاٹھی اس پر پے در پے برسنے لگی، وہ آدمی بیٹھ گیا اور اپنے سر کو ہاتھوں سے ڈھانپ لیا، ابو حاتم اسے حکم دیتے ہوئے چیخا: اٹھ فوراً اور لوگوں کو بتا کہ کیا ہوا تھا، آدمی نے اعتراف کیا کہ اس نے تھوڑی سی رقم کے عوض ابو یوسف اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں مخبری کی تھی اور اسے معلوم نہیں تھا کہ انہیں قتل کیا جائے گا، ابو حاتم کی لاٹھی اس پر پھر سے برسنے لگی اور لوگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں: اللہ تجھے رسوا کرے، او ذلیل، اللہ تجھے رسوا کرے، او غدار، او جاسوس۔

ابو حاتم نے اپنی لاٹھی بلند کی اور لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، سکوت چھا گیا تو ابو حاتم نے کہا: اے لوگو، یہ یہودی ہماری زمین پر قابض ہو گئے ہیں، ہمیں ہمارے ملک سے نکال دیا، ہمارے مردوں کو قتل کیا، اور ہماری عصمتوں کو پامال کیا، اور ہمارے اندر کچھ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ مل کر ان فدائیوں کے خلاف کام کرنے کے لیے تیار ہیں جنھوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لی ہیں، ایسے غدار کا کیا انجام ہونا چاہیے جو یہودیوں کے ساتھ کام کرتا ہے؟ لوگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں: موت... موت... ابو حاتم نے اپنی بندوق اپنے کندھے سے اتاری اور اس غدار کے سر کا نشانہ لیا، میری ماں نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا، میں نے اسے ہٹانے کی کوشش کی تاکہ دیکھ سکوں کہ کیا ہو رہا ہے، لیکن میں نے گولیوں کی آواز سنی اور لوگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں: غداروں کو موت، جاسوسوں کو موت۔

اگلے دن فدائیوں نے ایک قابض فوج کی گشتی پارٹی پر گھات لگائی، انہوں نے شہداء کے خون کی قسم کھائی کہ ابو یوسف کا بدلہ لیں گے، جب جیپ پہنچی تو انہوں نے اس پر کئی دستی بم پھینکے اور اسے گولیوں سے بھون دیا، جس سے کئی فوجی ہلاک ہو گئے اور کچھ زخمی ہو گئے، فوجی فوری طور پر اپنی بندوقیں اٹھا کر فائرنگ نہ کر سکے، بڑی تعداد میں قابض فوج کی کمک آئی، علاقے کو گھیر لیا، اور قریبی گھروں سے لوگوں کو مار پیٹ، ٹھوکریں مار کر اور ذلت آمیز سلوک کے ساتھ نکالنے لگے اور ہوا میں فائرنگ کرنے لگے، انہوں نے مردوں کو دیوار کے ساتھ منہ دیوار کی طرف کر کے کھڑا کیا اور ان کے سروں پر بندوقیں تان دیں، اور مار پیٹ کا سلسلہ جاری تھا، علاقے کے انچارج انٹیلی جنس افسر آئے اور مردوں کا ایک ایک کر کے جائزہ لینے لگے، پھر انہیں ایک ایک کر کے بلانے لگے جبکہ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھے تھے اور گاڑی کا دروازہ کھلا ہوا تھا، ہر ایک ان کے پاس آتا حالانکہ بندوقیں ان پر تانی ہوئی تھیں، پھر ان سے سوالات کیے جاتے، درجنوں بلکہ سینکڑوں سوالات کہ شاید انہیں فدائیوں کی تشخیص میں کوئی معمولی سی بھی معلومات مل سکے۔

چند دنوں بعد کرفیو اٹھالیا گیا اور ہم معمول کے مطابق اسکول چلے گئے، پہلے تین پیریڈز کے بعد وقفے کے دوران میں بیت الخلاء کی طرف گیا، وہاں میں نے بچوں کو ایک دیوار پر چڑھتے دیکھا، جو زیادہ اونچی نہیں تھی، اور وہ اس دیوار کے اوپر سے جھانک کر دوسرے بچوں سے بات کر رہے تھے، میں بھی دیوار کی طرف بڑھا اور دوسرے بچوں کی طرح میں بھی اس پر چڑھ گیا اور جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہم اس دیوار سے اس ہائی اسکول کو دیکھ سکتے ہیں جہاں میرا بھائی حسن پڑھتا ہے، اس ہائی اسکول کے بچے بڑے لگتے تھے، عمر میں مجھ سے بڑے اور قد میں بھی مجھ سے بہت لمبے۔

اس دن جب ہم اسکول سے گھر واپس جا رہے تھے، میں، میرا بھائی محمود اور میرا چچازاد ابراہیم، اور سیکڑوں طلباء و طالبات کے درمیان میں نے اپنے چچازاد حسن کو کچھ فاصلے پر دیکھا، ہمارے درمیان بہت سے طلباء و طالبات تھے، میں نے دیکھا کہ حسن نے اپنا ہاتھ منہ کی طرف اٹھایا اور کچھ منہ میں ڈالا، کیا یہ سگریٹ ہے؟ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ نیچے کیا اور منہ سے دھواں نکالا، میں نے محمد اور ابراہیم کو جو حسبِ معمول میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، زور سے پکڑا اور اپنی آنکھوں سے حسن کی طرف اشارہ کیا، وہ مجھے نہ سمجھ سکے اور حیران ہو کر پوچھنے لگے: کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ میں نے کہا: حسن! وہ پوچھنے لگے: اسے کیا ہوا؟ حسن نے محسوس کر لیا کہ ہم اس کے پیچھے ہیں، اس نے جلدی سے سگریٹ کا ٹکڑا پھینک دیا، محمد اور ابراہیم کچھ نہ دیکھ سکے، اور ہم ان کے قریب پہنچ چکے تھے، میں خاموش رہا تاکہ کہیں حسن کی کسی لات کا نشانہ نہ بن جاؤں، جب ہم گھر پہنچے تو میں نے ماں کو اکیلا پایا، موقع ملتے ہی میں نے ان کے کان میں سرگوشی کی: اماں میں نے حسن کو سگریٹ پیتے دیکھا ہے، ماں نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا اور کہا: ضرور تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے اور یہ تمہارا وہم ہے، یہ بات کسی سے مت کہنا، ٹھیک ہے؟ میں نے سر ہلایا اور بھاگ گیا، لیکن اس دن میں نے دیکھا کہ ماں نے حسن کو الگ بلایا اور اس سے بات کرنے لگی، حسن سر جھکائے باتیں سن رہا تھا، میں ان کی گفتگو نہ سن سکا، چند دن بعد جب ہم اسکول سے واپس آئے تو میں نے سنا کہ میرا بھائی محمود ماں سے کہہ رہا تھا کہ آج حسن اسکول نہیں گیا، وہ اسکول سے بھاگ گیا ہے، میں نے ماں کے چہرے پر پریشانی دیکھی، وہ اس مسئلے کا حل کیسے نکال سکتی تھیں؟ میں نے دیکھا کہ وہ میرے دادا سے بات کر رہی تھیں اور انہوں نے حسن کو بلایا اور اس سے سختی سے بات کی۔ حسن نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اسے دھمکی دی گئی کہ اگر وہ دوبارہ اسکول سے بھاگا تو وہ محمود اور حسن کو کہیں گے کہ اسے پکڑ کر گھر کے صحن میں موجود ستون سے باندھ کر ماریں۔ کچھ دن بعد میری والدہ نے اس کے پتلون کی جیب میں چند سگریٹ اور ایک چوتھائی لیرہ پایا، ماں یہ چیزیں لے کر دادا کے پاس گئی اور کہا: دیکھیں، آپ کے پوتے کی جیب سے کیا نکلا ہے، دادا نے حیرت سے ان چیزوں کی طرف دیکھا اور پوچھا: اس لڑکے کو پیسے کہاں سے ملے؟ اسی وقت والدہ نے محمود اور حسن کو بلایا اور کہا کہ وہ فوراً میرے چچازاد حسن کو لے آئیں، وہ دونوں تھوڑی دیر غائب رہے اور پھر حسن کو ساتھ لے کر آئے، دادا غمگین اور پریشان تھے، اس لیے وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے، یہاں والدہ نے حسن سے تفتیش شروع کی، تمہیں یہ پیسے کہاں سے ملے؟ حسن نے پوچھا: کون سے پیسے؟ والدہ نے جواب میں چوتھائی لیرہ اور سگریٹ دکھایا، حسن خاموش ہو گیا اور ایسا لگا جیسے اسے اپنی مصیبت کا احساس ہو گیا ہو، اس نے بہانے بنانے کی کوشش کی، تو والدہ نے محمود اور حسن کو حکم دیا کہ اسے پکڑیں اور فاطمہ کو کہا کہ رسی لے آؤ، سب نے جلدی سے اپنی ذمہ داری پوری کی، میں، میرا بھائی محمد اور میرا چچازاد ابراہیم دادا کے پیچھے کھڑے ہو کر یہ سب دیکھ رہے تھے اور بہت خوفزدہ اور حیران تھے۔

محمود اور حسن نے میرے چچازاد حسن کو پکڑا اور ستون کی طرف کھینچ لیا، فاطمہ رسی لے آئی اور والدہ نے اسے ستون سے باندھنے کی کوشش کی، جب حسن نے دیکھا کہ یہ سب سنجیدہ ہیں، تو وہ چلایا: میں نے دادا کی نصف لیرہ گرنے پر اٹھائی تھی، دادا حیران ہوئے کہ ان سے نصف لیرہ کیسے گر سکتی ہے، اور ان کے پاس کتنے نصف لیرہ ہیں؟ والدہ نے پوچھ گچھ جاری رکھی: کہاں گری تھی؟ حسن ہچکچایا اور اس کا جھوٹ واضح ہو گیا، والدہ نے محمود اور حسن کو حکم دیا کہ اسے ستون سے باندھیں اور رسی لہراتے ہوئے کہا: میں نے یہ دادا کے تھیلے سے لی جب وہ سو رہے تھے، والدہ چلائی: تم نے اسے لیا؟ اسے لینا کہتے ہو؟ کہو کہ تم نے دادا کے تھیلے سے چوری کی، پھر وہ دادا کی طرف مڑی اور پوچھا: ابو ابراہیم، آپ کا کیا خیال ہے؟ ہمیں اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ دادا نے اپنے پیسے کا تھیلا نکالا اور اس میں موجود رقم کو چیک کیا تو اس میں صرف نصف لیرہ تھی، مطلب حسن نے نصف گھر کا خرچ چوری کیا تھا، دادا نے کمزور آواز میں کہا: اسے ستون سے باندھ دو، باندھ دو۔ والدہ نے دادا کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہوں کہ کیا وہ واقعی سنجیدہ ہیں؟ دادا نے سر ہلا کر اشارہ کیا اور آنکھوں سے ہمیں دیکھ کر کہا کہ بچوں کو یہ دکھانا ضروری ہے کہ ایسے کاموں کی سزا ملتی ہے، ورنہ اس کا ان پر کیسے اثر ہو گا؟ میری ماں نے حسن کو ستون کے ساتھ باندھ دیا اور وہ رو رہی تھیں، اپنی قسمت اور حسن کی قسمت کو رو رہی تھیں، افسوس ہے تجھ پر، شہید کے بیٹے، تیرا باپ ایک شہید ہے حسن، تجھے معلوم ہے شہید کا مطلب؟ تیرا باپ ایک شہید ہے اور تو اپنے دادا کے تھیلے میں سے نصف لیرہ چوری کرتا ہے؟ خاندان کے آدھے خرچ کو، حسن! تجھے شرم نہیں آتی حسن؟ پھر وہ ہم سب پر چیخیں، سب کے سب کمرے میں چلو! تو ہم سب فوراً بغیر کسی ہچکچاہٹ کے چلے گئے۔

اس رات ہم پر نہ صرف گھر میں کرفیو لگا بلکہ کمرے میں بھی لگ گیا، جو کہ ہماری ماں کی طرف سے تھا، انہوں نے ہمیں رات بھر کمرے سے باہر نکلنے سے منع کر دیا، سوائے انتہائی ہنگامی صورتوں میں، اور ہمیں زبردستی جلد سونے پر مجبور کیا۔

پانچویں فصل

میری خالہ فتحیہ اور ان کے شوہر ہم سے ملنے کے لیے آئے، میری امی نے خالہ کا استقبال پیار کے ساتھ کیا اور خالہ نے ہمیں ایک ایک کر کے پیار کیا، میری امی مہمانوں کے لیے بستر تیار کرنے لگیں اور دادا کو آواز دی، 'چچا ابو ابراہیم، مہمان آئے ہیں'، دادا اپنے کمرے سے باہر آئے اور خالہ کے شوہر سے مصافحہ کیا، خالہ اپنے ساتھ ایک ٹوکری لائی تھیں جس میں کئی کاغذی تھیلے تھے، انہوں نے وہ تھیلے میری امی کو دیے، فاطمہ نے چائے بنائی، سب نے چائے پی اور پھر خالہ کے شوہر نے رخصت لی تاکہ وہ ماموں کے گھر جا سکیں، خالہ نے بتایا کہ وہ آج ایک اور رات ہمارے ساتھ رہیں گی اور ان کے شوہر کل انہیں واپس لے جائیں گے، دادا نے انہیں روکا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ رات گزاریں، مگر انہوں نے معذرت کی کہ انہیں کچھ کام ختم کرنے ہیں، دادا، امی اور خالہ نے انہیں دروازے تک الوداع کہا، پھر دادا اپنے کمرے میں چلے گئے اور امی اور خالہ ہمارے کمرے میں واپس آئیں اور ہم ان کے گرد جمع ہو گئے۔

امی ٹوکری لائی اور اس میں سے چیزیں نکالنے لگی، ایک تھیلے میں بڑے بڑے سرخ سیب تھے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے، اور یقیناً ایسے سیب نہیں چکھے تھے کیونکہ ہم نے اپنی عمر میں دو یا تین بار ہی سیب کھائے تھے اور وہ بھی اس قسم کے نہیں، دوسرے تھیلے میں ایک اور پھل تھا جس کا نام ہمیں اس وقت معلوم نہیں تھا، لیکن بڑے ہونے پر پتہ چلا کہ وہ آڑو تھا، تیسرے تھیلے میں خشک دودھ کے ٹکڑے تھے، امی نے خالہ سے کہا: تم نے بڑا احسان کیا فتحیہ، خالہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بولی: کاش میں تمہاری صحیح معنوں میں مدد کر سکتی، میری پیاری بہن، پھر انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہر کی مالی حالت الحمدللہ اچھی ہے، امی نے پھل اٹھائے اور انہیں دھو کر واپس آئی، اور محمود کو تقریباً آدھے سیب اور آڑو دیے کہ وہ انہیں دادا اور چچا کے بیٹوں کے کمرے میں لے جائے، امی اور خالہ دیر رات تک باتیں کرتی رہیں اور ہم ان کے گرد خوشی سے بیٹھے رہے کیونکہ ہماری پیاری خالہ آئی تھیں۔

خالہ کے شوہر عبد الفتاح ماموں کے گھر گئے اور ان کے ساتھ رات گزاری اور انہیں الخلیل کے علاقے، شہر اور دیہات کی صورتحال کے بارے میں بتانے لگے۔ عبد الفتاح نے چند سال پہلے اپنی ثانوی تعلیم مکمل کی تھی اور اپنے والد کے زراعت اور مویشی پالنے کے کاموں میں مدد کر رہے تھے، وہ اردن یا سعودی عرب کی کسی یونیورسٹی میں مزید تعلیم حاصل کرنے کا سوچ رہے تھے، ماموں ان سے مزاحمت اور فدائیوں کی صورتحال، لوگوں کی زندگی کے معیار اور ان کی تیاریوں اور حوصلے کے بارے میں پوچھنے لگے، خاص کر گزشتہ تین سالوں میں جب سے اسرائیلی قبضہ ہوا تھا۔

الخلیل شہر پر قبضے کے بعد چند ہی دنوں میں سیاحوں کے بڑے بڑے گروہ حرم ابراہیمی کی زیارت کے لیے آنے لگے، یہودیوں کا ماننا ہے کہ اس مقام پر ان کا تاریخی حق ہے، اس سے شہر میں اقتصادی خوشحالی کا دروازہ کھلا، شہر کے بہت سے تاجروں نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا، اپنی دکانیں کھولیں اور سیاحوں کو اپنی مصنوعات بیچنے لگے، اور انہیں ہر چیز زیادہ قیمت پر فروخت کرنے لگے، یہاں تک کہ انہوں نے انہیں بلوط بھی فروخت کیا، غیر ملکی یہ سمجھتے تھے کہ بلوط ہمارے جد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملک کی وجہ سے مقدس ہے، یہاں تک کہ یہودی بھی الخلیل میں اپنی ضروریات کی چیزیں مختلف دکانوں، مارکیٹوں اور بازاروں سے خریدنے آتے تھے، جس سے شہر میں حقیقی اقتصادی خوشحالی آئی اور زندگی کے معیار میں بہتری آئی۔

یہ بھی دیکھا گیا کہ قابض فوجی زیادہ اختلاط سے گریز کرتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ یہ شہر کے میئر شیخ الجعبری کی درخواست پر تھا، جنہوں نے شہر کے قبضے کے بعد اعلیٰ اسرائیلی قائدین سے ملاقات کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کہ ان کے فوجی لوگوں کے عزت و مال پر حملہ نہ کریں، ان قائدین میں موشے دیان بھی شامل تھا، جس نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور اس نصیحت پر عمل کرنے میں سختی برتی، اس وجہ سے فوجیوں کا لوگوں سے کم ہی میل جول تھا۔

لوگ ابھی نکسہ اور شکست کی صدمے سے باہر نہیں نکلے تھے، اور اکثریت پر قبضے اور یہودیوں کا خوف طاری تھا۔ ایک یہودی اکیلا شہر میں گھومتا تھا اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا تھا، نہ ہی کوئی اس پر حملہ کرنے کا سوچتا تھا۔ اگر لوگوں کو پتہ چلتا کہ کوئی ایسا سوچ رہا ہے، تو وہ اسے خوف اور احتیاط کی بنا پر روک دیتے، لیکن کبھی کبھار کچھ مزاحمت بھی ہوتی تھی، اور وقفے وقفے سے کبھی کبھار فائرنگ، ہدفی کاروائی یا گولے مارنے کی کارروائیاں کی جاتی تھیں، یہ حملے شہر کے کناروں یا ارد گرد کے گاؤں اور قصبوں میں قابض فوج کی گشتی ٹیمیں کیا کرتی تھی، حالانکہ کئی گاؤں اور علاقے ایسے تھے جہاں قابض فوج کبھی داخل نہ ہوئی تھی۔ کچھ مجاہدین پہاڑوں میں غاروں میں رہتے تھے، جو پہاڑوں کے نیچے بہت دور تک پھیلی ہوتی تھیں، وہ کبھی کبھار نکلتے اور قابض فوج کی گشتی پر حملہ کرتے، جس سے زخمی اور کبھی کبھار ہلاکتیں بھی ہوتی، پھر وہ دوبارہ پہاڑوں میں پناہ لیتے جہاں قابض فوج نہ تو داخل ہونے کی ہمت کرتی تھی اور نہ ہی ان علاقوں کو جانتی تھی، ان مزاحمت کاروں میں سب سے مشہور "ابو شرار" تھے، جو اس علاقے میں قابض فوجیوں کی نیند حرام کر دیتے تھے۔

تحریک فتح نے شہر اور اس کے آس پاس مزاحمت شروع کرنے کی کوشش کی، لیکن علاقے میں کامیابیاں انتہائی محدود تھیں، کیونکہ قابض فورسز ان گروپوں کو گرفتار کر رہی تھیں جو مزاحمت شروع کرنے کی کوشش کر رہے تھے، یا جو ابھی اپنی ابتدائی مراحل میں تھے اور ابھی اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکے تھے، شاید لوگوں کی اپنی زندگی کی مشکلات، اقتصاد اور کامیابی کے کم امکانات کی وجہ سے مزاحمت علاقے میں نمایاں اور عام نہیں ہو سکی، لیکن شہر میں احتجاجات کی ایک سیاسی تحریک شروع ہوئی جسے فتح کے حامی اراکین، خاص طور پر طلباء کے حلقوں میں منظم کر رہے تھے، اسی طرح الجبهة الشعبية بھی سرگرمیاں شروع کرنے کی

کوشش کر رہی تھی، چونکہ مزاحمت کے میدان میں واضح کامیابی نہیں ملی، اس لیے سرگرمیاں سیاسی اور عوامی کاموں اور کچھ سماجی سرگرمیوں پر مرکوز ہو گئیں۔ میرے ماموں دلچسپی کے ساتھ میرے خالہ کے شوہر عبد الفتاح کی تفصیلی باتیں سن رہے تھے جو علاقے کی صورتحال بیان کر رہے تھے اور وقتاً فوقتاً کچھ وضاحتی سوالات پوچھ کر ہر چھوٹی بڑی بات جاننے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ غربِ اردن اور غزہ کی پٹی کی صورتحال کے فرق کو سمجھ سکیں۔

غزہ کی پٹی میں ۱۹۶۷ء کی جنگ میں تحلیل ہونے والے فلسطینی آزادی فوج کے افسران اور جنگجوؤں کو جمع کرنے کے لیے ایک نئی فورس تشکیل دی گئی تھی، جسے قوات التحرير الشعبي کہا جاتا تھا، یہ غزہ میں سب سے بڑا مزاحمتی گروپ تھا، ساتھ ہی تحریک فتح اور جبهة الشعبية کے گروپوں نے بھی مزاحمت شروع کی اور مجموعی طور پر غزہ کی پٹی میں مزاحمت کی صورتحال اچھی تھی، باوجود اس کے کہ قابض فورسز بعض قیادتوں کو قتل کرنے اور علاقے میں مزید سرایت کرنے اور اس کے راز جاننے میں کامیاب ہو رہی تھی۔

خالہ کے جانے کے کچھ دنوں بعد محلے میں خبر پھیل گئی کہ مغربی علاقے المشتبہ میں ایک ایجنٹ کی لاش پڑی ہوئی ہے، ہم سب وہاں لاش دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے، جیسا کہ ایسی خبروں پر عام طور پر ہوتا ہے، لاش وہاں پڑی ہوئی تھی، کسی کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ اس لڑکی کو کس نے قتل کیا، یہ افواہ تھی کہ وہ ایک ایجنٹ تھی اور وہ اسی وجہ سے قتل کی گئی ہے، کسی نے اس پر اعتراض کرنے یا تفصیلات پوچھنے کی جرأت نہیں کی، لیکن محلے میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ وہ ایجنٹ نہیں تھی اور کچھ لوگ جو خود کو فدائی ظاہر کر رہے تھے، انہوں نے اپنی حصانت کا فائدہ اٹھا کر اسے دھوکہ دیا، اس کی عزت لوٹی، اور پھر اپنے جرم کے راز افشا ہونے کے خوف سے اسے قتل کر دیا اور اسے ایجنٹ قرار دے دیا، قابض فورسز نے عوام میں سرایت بڑھانے کے لیے اپنے انٹیلی جنس کام کو مزید تیز کر دیا، عوام کی کمزوریوں، ضرورتوں اور غربت کا فائدہ اٹھا کر ایجنٹ بھرتی کرنے لگیں جو مزاحمت کاروں کی معلومات اور ان کی نقل و حرکت کی خبریں فراہم کرتے تھے۔

قابض فورسز بڑے پیمانے پر مردوں اور نوجوانوں کو گرفتار کر رہی تھی، جنہیں 'سرایا' عمارت منتقل کیا جاتا تھا، جہاں خفیہ ایجنسی کا دفتر واقع ہے، وہاں بڑی تعداد میں فوجی ان کا استقبال تھپڑ لاتوں اور گھونسوں سے کرتے، ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی اور انہیں دیوار کی طرف منہ کر کے گھٹنوں کھڑا رکھا جاتا، ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوتے، ٹھنڈ اور بارش میں خوف اور سردی سے وہ کانپتے رہتے، فوجی ان کے پیچھے کھڑے ہوتے، باری باری ڈیوٹیاں کرتے، جو بھی دیوار پر سہارا لینے کی کوشش کرتا یا ادھر اُدھر حرکت کرتا، اسے لات ماری جاتی اور پیٹا جاتا۔

ایک قریبی روشن اور ایئر کنڈیشن کمرے میں شین بیٹ کے انٹیلی جنس افسران بیٹھے ہوتے، وہ مردوں کو ایک ایک کر کے بلاتے، انہیں کرسیوں پر بٹھاتے اور ان کی آنکھوں سے پٹی ہٹا دیتے، پھر وہ ان سے ان کے کام، ان کے گاؤں، ان کے خاندان، ان کے بھائیوں، ان کے پڑوسیوں اور مزاحمت کرنے والے لوگوں کے بارے میں ہزاروں سوالات پوچھتے، بے شمار گالیاں دیتے اور لعن طعن کرتے، کبھی مارتے، کبھی مذاق اڑاتے اور کبھی دھمکاتے، تاکہ ان سے کوئی معلومات حاصل کریں یا کسی کو ان کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور کریں، کچھ مرد اس ذلت اور خواری کی وجہ سے غم و غصے سے بھر جاتے، لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے، اگر وہ کچھ کرتے بھی تو انہیں مزید ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑتا، کچھ لوگ اس بحران سے بہتر طریقے سے نکلنے کی کوشش کرتے کہ وہ نہ ان کے ساتھ نہ ان کے خلاف، نہ مزاحمت کے ساتھ نہ اس کے خلاف، وہ صرف جینا چاہتے تھے، اور اپنے بچوں اور خاندان کی روزی روٹی کا انتظام کرنا چاہتے تھے، جبکہ کچھ لوگ اپنے جسم و روح کو قابضوں کے ہاتھوں سستے داموں بیچ دیتے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے پر راضی ہو جاتے۔

غزہ کی پٹی میں مزاحمت کی صورتحال مغربی کنارے کی نسبت نمایاں طور پر مضبوط تھی، اس کی بنیادی وجہ شاید وہ فوجی بٹالین تھی، جسے 'جیش تحریر فلسطین' کے نام سے جانا جاتا تھا، اسے فلسطین کی آزادی کی تحریک کی ایک فوجی قوت کے طور پر بنایا گیا تھا، جسے عرب حکومتوں نے اس لیے قائم کیا تھا تاکہ فلسطین کی ذمہ داری سے بچ سکیں، ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد یہ فوج بکھر گئی، کچھ شہید ہو گئے، زیادہ تر مصر چلے گئے یا وہاں منتقل ہو گئے، اور کچھ غزہ میں ہی رہ گئے اور انہوں نے عوامی آزادی کی فوج بنائی، جس نے مزاحمت کا آغاز کیا، پھر فتح اور الجبهة الشعبية کے کچھ گروپوں اور سیلوں نے غزہ میں کام شروع کیا اور خاص طور پر کیمپوں کے علاقوں میں ان کی موجودگی بڑھنے لگی۔

ایک دن جب ہم اسکول میں صبح کی تقریب میں تھے، تو ایک بڑا واقعہ پیش آیا، پھر ہم نے بلند نعرے سنے 'بالروح بالدم نفديك يا فلسطين، بالروح بالدم نفديك يا فلسطين'، اسکول کے بچے دوسرے اسکولوں کے بچوں کے ساتھ مل کر ایک جلوس میں نعرے لگانے لگے اور ہر کوئی خوشی اور مسرت سے بھرپور تھا، یہ دن یوم الکرامہ تھا جب فلسطینی جنگجوؤں نے اردن میں اسرائیلی حملے کو ناکام بنا دیا تھا، جلوس کی صورت میں مظاہرین کیمپ کی گلیوں میں نعرے لگاتے، جھنڈے لہراتے رہے اور پھر ہم اپنے گھروں کو واپس آ گئے، سب کا جذبہ اور فخر عروج پر تھا، کیونکہ ۱۹۶۷ء کی شکست کے بعد، جو کہ سرکاری عربی نظام کے مطابق نکسہ کہلاتی تھی، یہ اسرائیلی فوج پر پہلی فتح تھی۔

فدائیوں کے گروپ، جنہوں نے دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر کیمپ لگائے ہوئے تھے، کچھ حد تک سرحد پار کارروائیاں شروع کر چکے تھے۔ میں اس دن عصر کے بعد حسبِ معمول اپنے دادا کے ساتھ گھر کے قریب میدان میں بیٹھا تھا، جہاں محلے کے مرد بات چیت کرتے تھے، سب خوشی سے بھرپور تھے اور 'فلسطینی انقلاب' کا لفظ اور 'تحریکِ آزادی (فتح)' کا نام بار

بار سنائی دے رہا تھا، واضح ہو گیا تھا کہ 'فتح' نے فلسطینی قومی تحریک اور مزاحمت میں قیادت کی حیثیت اختیار کر لی ہے، اس دن میں نے کچھ مردوں کو یہ کہتے سنا: چچا، یہ بات ٹھیک ہے، زمین میں ہل کوئی اور نہیں چلا سکتا، ہم عرب فوجوں پر اعتماد کرتے تھے اور ہم ہار جاتے تھے جبکہ پہلی بار جب ہم خود لڑے تو ہم جیت گئے، چاہے ہمارے پاس کمزور ہتھیار ہی کیوں نہ ہوں، تمام مرد تائید میں سر ہلا رہے تھے۔

آنے والے دنوں میں مغربی کنارے اور غزہ میں فدائیوں کی کارروائیاں بڑھ گئیں، جیسا کہ میری ماں ہمیشہ کہا کرتی تھیں 'نفس الرجال بحيي رجال' معرکہ کرامہ کی فتح نے بہت سے لوگوں میں امید اور تیاری کی روح بھر دی۔ شاید قابضین کی خفیہ ایجنسیوں کو یہ معلومات ملیں کہ غزہ میں ہونے والی بہت سی کارروائیوں کی جڑ الشاطی کیمپ سے ہے، تو انہوں نے ہمارے کیمپ پر کرفیو نافذ کر دیا، اس بار کرفیو کافی عرصے تک جاری رہا، یہاں تک کہ ایک مہینے سے تجاوز کر گیا اور کیمپ میں ہمارے حالات مزید خراب اور سخت ہو گئے، کیمپ میں کرفیو نافذ تھا، لیکن شہر میں چند قدموں کے فاصلے پر زندگی معمول کے مطابق چل رہی تھی، غزہ کی مساجد سے ظہر کی اذان کی آواز بلند ہوئی، مسجد العباس میں جو شہر کی مرکزی سڑک، شارع عمر المختار پر واقع ہے، کچھ مرد اور نوجوان نماز ادا کرنے کے لیے جمع ہونے لگے، نماز ختم کرنے کے بعد ایک جوان لڑکا جو بیس کی دہائی کے آغاز میں تھا، اعتماد کے ساتھ کھڑا ہوا اور اس نے اللہ کی حمد و ثنا کی، رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا، پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر ان میں اپنے بھائیوں کی قوت اور بہادری کو اجاگر کیا جنہوں نے الشاطئ کیمپ میں ایک ماہ سے کرفیو کا سامنا کیا ہوا تھا، ایک شیخ نے سوال کیا: بیٹا! ہم کیا کر سکتے ہیں؟ لڑکے نے جواب دیا، کم از کم ہم یکجہتی کا ایک مظاہرہ تو کر سکتے ہیں، مسجد میں موجود لوگ باہر نکلے، نعرے لگاتے ہوئے اور تکبیرات بلند کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے اس جوان کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا، اور وہ نعرے لگا رہا تھا، 'بالروح بالدم نفديك يا فلسطين......كلنا فلسطين مواطنين و مهاجرين۔

مہاجرین اور شہری لوگ بڑی تعداد میں مظاہرے میں شامل ہونے لگے اور شہر کی سڑکیں کیمپ کے قریب تھیں، اور قابض فوج کی گاڑیاں صورتحال کی نگرانی کر رہی تھیں، ہنگامی حالات کے پیش نظر بغیر مداخلت کے مظاہرہ ختم ہو گیا اور سب نے محسوس کیا کہ انہوں نے اپنی ضمیر کے مطابق کچھ کیا ہے۔ اگلی صبح لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا گیا کہ کیمپ سے کرفیو ختم کر دیا گیا ہے تاکہ زندگی دوبارہ معمول پر آ سکے۔ صبح کے وقت ہم اسکول کی قطار میں کھڑے ہوتے تھے، اور کچھ محدود ورزشوں کے بعد اور صبح کی تقریر جو ایک طالب علم اس قطار کے سامنے پتھر کی سیڑھیوں سے کرتا تھا، ہم قطار در قطار دودھ کے کاؤنٹر کی طرف بڑھتے تھے، یہ ایک ایسی جگہ تھی جو تین طرف سے پتھروں سے بند تھی اور اس کی چھت زِنک کی چادروں سے ڈھکی ہوئی تھی، اس کے اوپر ایک سیمنٹ کا پلیٹ فارم تھا جس پر بڑی میزیں تھیں اور ان کے پیچھے چار آدمی نیلے رنگ کے لباس اور سفید ٹوپیاں پہنے کھڑے ہوتے تھے، ہم قطار میں رہ کر کاؤنٹر میں داخل ہوتے تھے اور ہمارے اساتذہ اس کی نگرانی کرتے تھے، وہ آدمی ہمیں ایک ایک کر کے لوہے کے کپ دیتے تھے جنہیں وہ دودھ سے بھرتے تھے اور ہمیں ہر ایک کو مچھلی کے تیل کی ایک گولی دیتے تھے، اور ہمیں اسے نگلنے کے لیے کہتے تھے پھر ہم دودھ پیتے تھے اور ہم کپ کو ایک بڑے برتن میں ڈال دیتے تھے جس میں کھولتا ہوا پانی ہوتا تھا، اور اپنی قطار سے نکل کر اپنے کلاس رومز کی طرف چلے جاتے تھے۔ پورا اسکول یعنی تمام طلباء ہر روز اسکول میں مچھلی کے تیل کی گولی کھاتے اور دودھ پیتے تھے، ہم مچھلی کے تیل سے شدید نفرت کرتے تھے اور اس پر گرم دودھ پینے سے بھی نفرت کرتے تھے، اساتذہ ہماری نگرانی کرتے تھے تاکہ ہم وہ چھوٹی گولیاں پھینک نہ دیں، اور ہمیں مجبور کرتے تھے کہ ہم انہیں کھا لیں اور ہمیں جلدی جلدی دودھ پینے اور کلاس رومز میں جانے کی تاکید کرتے تھے۔

مچھلی کا تیل بہت فائدہ مند ہے، لیکن گرم دودھ کا اپنا ایک الگ ہی مزہ ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اس کا پیالہ ہاتھوں میں پکڑنے سے جو گرمی ملتی ہے، خاص کر جب آپ کے چھوٹے ہاتھ ٹھنڈ سے تقریباً جم چکے ہوں، تو آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھ دوبارہ آپ کے جسم کا حصہ بن گئے ہیں جیسے کہ وہ پہلے الگ ہو گئے ہوں۔ انہی دنوں ایک دن بہت ہی سرد اور طوفانی تھا اور ہم میں سے زیادہ تر بارش سے بھیگ چکے تھے، جب ہم نے دودھ پیا تو اپنے کلاس روم میں جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور سردی سے کانپنے لگے، ہمارے استاد شیخ کلاس میں داخل ہوئے اور ایسا لگا جیسے انہوں نے سمجھ لیا ہو کہ ہم اس حالت میں نہیں ہیں کہ پڑھائی کر سکیں یا کچھ سمجھ سکیں۔ انہوں نے ہمیں ہنسانے کا ارادہ کیا اور کہا: بچو! تصور کرو کہ آسمان سے اب چاول اور گوشت برس رہا ہے۔ کلاس میں شور مچ گیا اور جب ہم نے چاول اور گوشت کا ذکر سنا تو ہم سردی اور اپنے بھیگنے کو بھول گئے اور بے ہنگم بولنے لگے، میں تو صرف گوشت کھاؤں گا......مجھے چاول پسند ہیں......میں......میں...... شیخ نے ہمیں تھوڑی دیر کے لیے خوابوں میں چاول اور گوشت کے ساتھ کھیلنے دیا، پھر ہم پر چیخ پڑے: چپ ہو جاؤ تم سب! اللہ کرے کہ تم پر ٹڈیاں برسیں جو تم سب کو کاٹیں۔ پھر کہا: املا کی کتاب نکالو اور سبق نمبر بیس کھولو۔ احمد! تم پڑھو۔ میں نے اپنی کتاب کھولی جو پانی سے بھیگی ہوئی تھی، اور سردی سے کانپتے ہوئے پڑھنے لگا۔ شیخ کے ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ کہہ رہے تھے: لاحول ولا قوة الا بالله، انا لله وانا اليه راجعون، تمہیں پڑھنا چاہیے تاکہ تم انسان بن سکو۔

چھٹی فصل

میری خالہ فتحیہ صوریف گاؤں میں رہتی تھی، جو کہ ضلع الخلیل کا ایک گاؤں ہے، یہ گاؤں فلسطین کے دیگر تمام دیہاتوں کی طرح ۱۹۶۷ء میں قبضے میں گیا، اور اسے مزاحمت میں اس کے کردار کی وجہ سے جلاوطنی اور تباہی کا سامنا کرنا پڑا، یہ گاؤں سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے ۱۹۴۸ء سے پہلے کی جنگوں میں بھی شامل رہا، یہ گاؤں سبز لکیر کے قریب واقع ہے، جو ۱۹۴۸ء

میں مقبوضہ ہونے والی زمینوں اور ان زمینوں کے درمیان حد بندی کرتی ہے جو ۱۹۶۷ء تک اردنی حکومت کے تحت تھیں۔

قبضے کے کچھ ہی وقت کے بعد قابض فوج کی گشتی گاڑیاں گاؤں کے قریب آئیں اور اسے دیگر مغربی کنارے کے دیہاتوں کی طرح گھوم کر دیکھنے لگیں، لوگ یہاں چھوٹے، سادہ اور خوبصورت پتھریلے گھروں میں زیتون، انجیر، انگور اور بادام کے درختوں کے درمیان رہتے ہیں، وہ مویشی اور مرغیاں پالتے ہیں اور اپنی روزی کما کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ گاؤں کے مرد بلند کردار اور مردانگی میں مشہور ہیں اور وہ فلسطینی دیہاتی لباس پہنتے ہیں۔

کوئی اپنی لاٹھی پکڑے ہوئے اپنی بھیڑ بکریوں کو پہاڑ کی چوٹی پر چراتا ہوا نظر آرہا ہے، اور عورتیں اپنے لباس اور سر کی اوڑھنی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں، میری خالہ کو غزہ سے صوریف منتقل ہونے پر زیادہ فرق محسوس نہیں ہوا، صرف دیہی اور زرعی ماحول میں فرق تھا، لوگوں کے طور طریقے اور ان کی خالص روحیں ایک جیسی تھیں، شاید مقامی لہجہ تھوڑا مختلف تھا لیکن یہ کوئی بڑا فرق نہیں تھا، اور وہ جلد ہی وہ وہاں کی زندگی میں گھل مل گئیں، ان کے شوہر عبد الفتاح نے اپنی ثانوی تعلیم الخلیل شہر کے طارق بن زیاد اسکول میں مکمل کی تھی، کیونکہ صوریف میں شہر کے دیگر مضافاتی دیہاتوں کی طرح کوئی ثانوی اسکول نہیں تھا، جو لوگ اپنی ثانوی تعلیم مکمل کرنا چاہتے تھے، انہیں الخلیل میں پڑھنا پڑتا تھا، خالہ کے شوہر کی الخلیل میں تعلیم نے اسے شہر اور وہاں کے حالات سے واقف کر دیا تھا، اور اس کے وہاں بہت سے دوست تھے جو ان کے ساتھ اس اسکول میں پڑھتے رہے تھے۔

خالہ کا ایک بیٹا ہوا جس کا نام عبد الرحیم رکھا، میری ماں مالی حالت کی وجہ سے الخلیل سفر کر کے خالہ کو نئے بچے کی مبارک باد دینے نہیں جا سکتی تھیں، تو انہوں نے ماموں کے گھر جا کر انہیں مبارکباد دی اور ان سے کہا کہ جب وہ فتحیہ کے پاس جائیں تو ان کی طرف سے بھی مبارکباد دے دیں اور ان کا عذر پیش کر دیں، کیونکہ وہ ہماری مالی حالت اور خاندان کی حالت کو جانتی ہے۔

میری خالہ کے شوہر عبد الفتاح اردن یونیورسٹی میں شعبہ شریعت میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے سفر کی تیاری کر رہے تھے، لیکن ان کے والد کی شدید بیماری نے انہیں اس منصوبے کو ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا، پھر والد کی وفات کی وجہ سے انہیں یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ مکمل طور پر ترک کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنے والد کی تجارت سنبھالنے اور ان کی زمین کا خیال رکھنے کا فیصلہ کیا اور اپنی تعلیم جاری نہ رکھنے کا غم اس بات سے دور کیا کہ وہ اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی تعلیم میں مدد کریں گے، جو الخلیل میں طارق بن زیاد اسکول میں دوسرے سال کا طالب علم تھا۔

عبد الفتاح اکثر اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو مغربی علاقے میں 'خربہ علین' کی طرف اشارہ کر کے دکھاتے تھے، جہاں ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے 'الجہاد المقدس' کے مجاہدین نے کیمپ لگائے تھے اور وہاں کے رہائشی ان کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ ایک دن صوریف کے ایک رہائشی، محمد عبد الوہاب القاضی نے، جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا، 'صناعین' نامی علاقے میں ایک یہودی قافلہ دیکھا جو بیت شیمش سے عتصیون کی طرف جا رہا تھا، اس نے مجاہدین کو اطلاع دی، جنہوں نے جلدی سے 'ظهر الحجة' نامی علاقے میں گھات لگا کر اس قافلے پر حملہ کیا اور ان سب کو مار ڈالا۔ ان میں ۳۵ افسران، فوجی اور ڈاکٹر شامل تھے۔ اس واقع نے یہودیوں کے دلوں میں صوریف کے خلاف نفرت پیدا کر دی، اور جب ۱۹۶۷ء کی جنگ ہوئی، تو انہوں نے انتقام کے طور پر صوریف پر توپ خانے سے حملہ کر کے کئی گھروں کو تباہ کر دیا۔

عبد الفتاح کے تجارتی کام اور الخلیل شہر کے تاجروں اور صنعت کاروں کے ساتھ تعلقات نے انہیں ایک بڑا نیٹ ورک فراہم کیا، اپنی مجلسوں اور ملاقاتوں میں، وہ لمبی گفتگو اور تفصیلی مباحث کرتے تھے۔ ایک دکان میں بیٹھ کر، وہ انگیٹھی کے گرد جمع ہوتے جس میں انگارے سلگ رہے ہوتے، چائے پیتے اور مزاحمت اور قبضے کے بارے میں بات کرتے۔ ان مباحث میں ہمیشہ یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ اس علاقے کے لوگ مزاحمت کے فائدے پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اسے نقصان دہ سمجھتے تھے، ان کا زیادہ تر دھیان اپنے معیارِ زندگی کی سطح بلند کرنے، اقتصادی ترقی اور دولت میں اضافہ کرنے پر ہوتا تھا۔ ان کا ہمیشہ یہ کہنا ہوتا تھا کہ جب عرب فوجیں اسرائیلی فوج کے مقابلے میں ناکام ہو چکی ہیں، تو چند فدائی اپنی معمولی اسلحے اور محدود وسائل کے ساتھ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

عبد الفتاح ان کی آراء کی کھل کر مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے، لیکن وہ ان کی باتیں سنتے اور منطقی اور معروضی طریقے سے بحث کرنے کی کوشش کرتے، آخر میں وہ لوگ چائے پیتے ہوئے ایک گھنٹہ یا کچھ وقت بیٹھنے کے بعد رخصت ہو جاتے، ان میں سے کوئی کہتا: ہمیں اس مسئلے سے کیا لینا دینا، اللہ مالک ہے، اللہ وہی کرے گا جو بہتر ہو گا۔ اس مخصوص لہجے میں جو الخلیل کے باشندوں کی خصوصیت ہے، جہاں وہ بولتے وقت حروف کو زیادہ کھینچتے ہیں۔

ان جلسوں، حلقوں اور مجالس میں میری خالہ کے شوہر کی ملاقات ابو علی سے ہوئی جو کہ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے کچھ کرنے کی ضرورت پر زیادہ یقین رکھتا تھا اور اس پر کہ اگرچہ مزاحمت وطن کی آزادی اور قبضہ کو ختم کرنے میں مؤثر نہیں ہو سکتی، لیکن یہ کم از کم قومی فرض کی ادائیگی ضرور ہے۔

میری خالہ کے شوہر اور ابو علی اکثر الخلیل کی سڑکوں پر پیدل پھرتے تھے، جب میری خالہ کے شوہر الخلیل جاتے یا جب ابو علی صوریف آتے تو وہ اکٹھے باتیں کرتے، باتیں زیادہ تر قبضے کے

خلاف مزاحمت کرنے کی ضرورت اور صرف مال کمانے، دولت بڑھانے اور مکان بنانے میں مشغول نہ ہونے کی ضرورت پر ہوتی تھیں۔ چونکہ ان کے خیالات ملتے جلتے تھے، اس لیے ان کی دوستی بہت مضبوط ہو گئی۔ ایک دن ابو علی نے میری خالہ کے شوہر سے کہا: میں یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا، مجھے کم از کم اپنا فرض ادا کرنا ہو گا۔ میری خالہ کے شوہر نے پوچھا: تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ کیا تم کوئی ہتھیار ڈھونڈ کر قبضے کی کسی گشتی پارٹی پر حملہ کرنا چاہتے ہو، پھر بھاگ کر ان مطلوب افراد جیسے 'ابو شرار' اور دیگر مجاہدین کی طرح زندگی گزارنا چاہتے ہو؟ ابو علی نے جواب دیا: نہیں! یہ میرا مقصد نہیں ہے۔ میں مزاحمت کو منظم کرنا چاہتا ہوں تاکہ اسے ایک تحریک، ایک تنظیم بنایا جاسکے۔ میری خالہ کے شوہر نے پوچھا: کیسے؟ ابو علی نے جواب دیا: میں اردن جاؤں گا اور وہاں فتح کے سامنے اپنی بات رکھوں گا، تم جانتے ہو کہ کرامہ کے بعد فتح نے اپنی جگہ بنالی ہے اور وہ یقیناً میری تجویز کو پسند کریں گے اور مجھے اس میں مکمل مدد فراہم کریں گے۔ میری خالہ کے شوہر نے اس خیال کی تعریف کی اور ابو علی کو ہر ممکن احتیاط برتنے کی تاکید کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اسے ہر قدم پر اپنا شریک سمجھ سکتے ہیں اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ ابو علی اکیلے سفر کرے گا اور اپنے سفر کے لیے ایک تجارتی بہانہ بنائے گا تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔

اس دوران اردن میں کرامہ کی فتح کے بعد پورا ملک مزاحمت کے تابع تھا اور مہاجر کیمپوں میں فتح کی کامیابی کا جشن منایا جا رہا تھا، ہر کوئی فدائیوں کے حق میں نعرے لگا رہا تھا اور قومی تحریک آزادی فلسطین کے لیے دعا گو تھی۔ ابو علی جیسے شخص کے لیے یہ مشکل نہ تھا کہ وہ وہاں فدائی قیادت تک پہنچے اور ان کے ساتھ مغربی کنارے کے ہر علاقے میں فتح کی عسکری سیلز منظم کرنے کا معاہدہ کرے۔ اسے اس مقصد کے لیے مالی اور عسکری امداد فراہم کی گئی، کچھ رشتہ داروں سے ملنے کے بعد ابو علی نے کچھ تجارتی معاملات نپٹائے تاکہ اپنی اصل مشن کو خفیہ رکھ سکے، پھر وہ مغربی کنارے واپس آیا اور مختلف شہروں میں اپنے جان پہچان والے نوجوانوں سے رابطہ کرنا شروع کیا۔

جو بھی فتح تحریک کے صفوں میں شامل ہوتا تو اس سے درخواست کرتے کہ وہ اپنے دو یا تین قابل اعتماد دوستوں کو بھی شامل کریں جو قبضے کے خلاف مسلح جدوجہد کے لیے تیار ہوں، یہ عمل شمالی مغربی کنارے سے لے کر الخلیل تک اور دیہاتوں اور قصبوں تک پھیلا۔ جب بھی کوئی قابل اعتماد شخص ملتا، اسے یہ تجویز دی جاتی اور اگر وہ تیار ہوتا، تو اسے ایک سیل تشکیل دینے کی ہدایت دی جاتی۔ عبد الفتاح کو جو کہ میری خالہ کے شوہر تھے، ہتھیار جمع کرنے کی ذمہ داری دی گئی کیونکہ ان کی تجارت ان کے لیے ایک بہترین پردہ تھی، اس طرح تھوڑے وقت میں، مختلف شہروں میں سیلز اور گروپس بننے لگے۔ یہ گروپس چھوٹی چھوٹی گوریلا کارروائیاں کرنے لگے جیسے کہ فوجی گاڑیوں پر دیسی بم پھینکنا، ان پر گولیاں چلانا یا دور سے نشانہ بازی کی کوششیں، جیسا کہ ہر مزاحمتی تحریک میں ہوتا ہے۔ ایک سیل میں کوئی عملی مسئلہ پیش آیا اور سیل کے افراد کو گرفتار کر لیا گیا، تفتیش کے دوران کچھ نے اعتراف کیا اور مزید لوگوں کی گرفتاری ہوئی، اس طرح معاملہ ابو علی تک پہنچ گیا اور اسے گرفتار کر کے الخلیل جیل کے تفتیشی کمروں میں شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ابو علی نے بڑی مردانگی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور اس نے کسی بھی چیز کا اعتراف کرنے سے انکار کر دیا جس کا ذکر کچھ نوجوانوں نے تفتیش کے دوران کیا تھا۔

اسرائیلی خفیہ ایجنسی نے ابو علی کے تعلقات اور دوستوں کے بارے میں تحقیق کی اور میرے خالہ کے شوہر کو گرفتار کر لیا، ان کے گھر کی تلاشی لیتے ہوئے، انہوں نے کافی توڑ پھوڑ کی، میری خالہ اور ان کے چھوٹے بیٹے عبد الرحیم کو بھی مارا پیٹا گیا۔ خالہ کے شوہر کو الخلیل کی جیل میں لے جایا گیا اور تفتیش اور شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا، ان سے ابو علی کے بارے میں پوچھا گیا اور یہ کہ ابو علی نے ان کے خلاف اعترافی بیان دیا ہے۔ اس بات پر انہوں نے انکار کیا، اس کے نتیجے میں انہیں چھے ماہ کی قید کی سزا سنائی گئی اور ابو علی کو نوجوانوں کے اعترافات کی بنیاد پر پانچ سال کی سزا دی گئی۔

یہاں سے میری خالہ کی جیل کے ایک نئے عالم میں داخل ہونے کی کہانی شروع ہوتی ہے۔ وہ ہر ماہ اپنے شوہر سے ملنے جاتی تھیں۔ ملاقات کے دن وہ صبح سویرے اٹھتیں، اپنے بچے کو تیار کرتیں اور گاؤں کے مرکز کی طرف روانہ ہو جاتیں۔ یہاں سے وہ گاڑی پکڑتیں، جو گاؤں سے کم ہی گزرتی ہے اور شہر خلیل کی طرف جاتی ہے، پھر وہ ایک لمبا سفر طے کرتیں، تاکہ عمارت پہنچ سکیں، جو کہ اس الخلیل جیل اور شہر کی فوجی حکومت کا مرکز ہے، وہاں وہ سینکڑوں لوگوں کو دیکھتیں جو اپنے قیدیوں سے ملنے آئے ہوتے ہیں، وہ ہاتھ میں اپنا شناختی کارڈ تھامے عورتوں کی قطار میں کھڑی ہوتیں کہ شاید انہیں پہلے گروپ میں موقع مل جائے۔ لیکن اگر جیل کا سپاہی اعلان کر دے کہ گروپ مکمل ہو چکا ہے تو اسے دوسرے گروپ تک انتظار کرنا پڑتا۔

دیوار میں چھوٹے سے سوراخ تک پہنچ کر وہ اپنا شناختی کارڈ سپاہی کو دیتیں جو دیوار کے پیچھے چیکنگ، تصدیق اور رجسٹریشن کے لیے بیٹھا ہوتا۔ پھر وہ پاس والا دروازہ کھولتا اور وہ خواتین کے حصے میں داخل ہو جاتیں جہاں ایک عورت تفصیلی تلاشی لیتی۔ خالہ اپنا غصہ ضبط کرتیں کیونکہ وہ ملاقات ضائع نہیں کرنا چاہتیں تھیں، کیونکہ اس وقت ابو عبد الرحیم ان کا انتظار کر رہے ہوتے اور وہ بھی اور ان کا بیٹا عبد الرحیم بھی ابو عبد الرحیم سے ملنے کے مشتاق ہوتے، اس لیے اس حقیر سپاہی سے الجھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ تلاشی کے بعد زائرین کو ایک کمرے میں جمع کر دیا جاتا، پھر انہیں لمبی راہداریوں اور نیم اندھیرے دالانوں سے گزارتے ہوئے ملاقات کی جگہ پر لے جایا جاتا جہاں ایک دیوار میں کھڑکیاں ہوتیں جن پر لوہے کی جالیاں لگی ہوتیں۔ ہر کھڑکی کے پیچھے ایک قیدی کھڑا ہوتا اور ملاقاتی اپنے عزیز قیدیوں کو تلاش کرتے، جب وہ انہیں نظر آ جاتے تو ان کی کھڑکی کے پاس چلے جاتے، جب والد اپنے بچے کو کھڑکی کے پیچھے دیکھتے لیکن گلے نہ لگا پاتے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے، بیوی یا ماں کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے

ہیں جب وہ اپنے شوہر یا بیٹوں کو سلاخوں کے پیچھے دیکھتیں، انہیں کیا معلوم کہ ان کے ساتھ ان بے رحم دیواروں کے پیچھے کیا ہوتا ہے۔ لوگ سفر کی تھکن، انتظار اور تلاشی سے ابھی سکھ کا سانس بھی نہیں لے پاتے تھے، نہ ہی اپنے شوہروں، بیٹوں اور عزیزوں کی خیریت ہی صحیح سے معلوم کر پاتے کہ جیل کے سپاہی جو قیدیوں اور ملاقاتیوں کے پیچھے کھڑے ہوتے، تالیاں بجانا شروع کر دیتے اور چلّانے لگتے کہ ملاقات ختم ہو گئی، وہ قیدیوں کو اس لوہے کے دروازے کے پیچھے کھینچنے لگتے اور ملاقاتیوں کو باہر نکال دیتے۔ پہلے ماہ کی ملاقات میں خالہ کے شوہر نے اپنے آنسو ضبط کیے تاکہ سپاہی انہیں دیکھ کر مزید خوش نہ ہوں، اور انہوں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اپنی بیوی کو حوصلہ دیا کہ رہائی قریب ہے، صرف پانچ ماہ اور باقی ہیں، انہوں نے عبد الرحیم کا خیال رکھنے اور گھر کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید کی اور سب کو سلام پہنچانے کا کہا، خالہ نے اپنے سر کے سفید اور کناروں سے کڑھے ہوئے دوپٹے کے کونے سے اپنے آنسو پونچھے اور کہنے لگیں: کوئی بات نہیں، بس تم حوصلہ رکھو اور فکر نہ کرو، خدا حافظ۔

گلی کوچوں، دیہاتوں اور کیمپوں میں نئے گروپس اور جماعتیں مغربی کنارے کے شہروں، دیہاتوں اور خرابوں میں منظم ہو رہی تھیں، نوجوان وادیوں کی گہرائیوں میں یا بلند پہاڑوں کے پیچھے جا کر حال ہی میں ملنے والے یا اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملے ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت لے رہے تھے، اور فوراً دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے، وہ بے صبری سے اس لمحے کا انتظار کر رہے تھے جب وہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر دشمن کا سامنا کریں گے، چاہے وہ ہتھیار کتنے ہی کمزور اور سادہ کیوں نہ ہوں یا انہیں استعمال کرنے کا تجربہ کتنا ہی ناکافی کیوں نہ ہو، لیکن نوجوانوں کے دل جوش و جذبے سے بھرے ہوئے تھے۔

جس زمانے میں شدید سردی تھی، میری خالہ کے شوہر اور ابو علی چند تاجروں کے ساتھ ایک دکان میں ملتے تھے، چائے پیتے تھے اور لڑائی کی خبروں اور ان دونوں کی گرفتاری پر گفتگو کرتے تھے، کئی تاجر اس بات پر متفق تھے کہ ان کا عمل بے کار تھا اور ان کی گرفتاری ان کی رائے کی سچائی کا ثبوت ہے۔ ایک تاجر نے حساب لگایا کہ میری خالہ کے شوہر نے قید میں کتنے دن گزارے اور اس دوران وہ روزانہ تین اسرائیلی لیرے کما سکتے تھے، یعنی انہوں نے کم از کم پانچ سو لیرے گنوا دیے، اس کے علاوہ انہیں اور ان کے خاندان کو ذلت اور بے توقیری کا سامنا کرنا پڑا، معاشی بدحالی اور اس کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کے مزاحمت یا تخریبی کام کرنے کی وجوہات کے پیش نظر، اسرائیلی قائدین نے سوچا کہ انہیں بتدریج کام کے مواقع فراہم کیے جائیں، اس کے ساتھ ساتھ سخت سکیورٹی جانچ پڑتال کے بعد انہیں اجازت دی جائے، اس اعلان کے بعد، پاسپورٹ اور پرمٹ دفاتر نے ۱۹۴۸ء میں مقبوضہ علاقوں میں کام کے لیے درخواست دینے والے مردوں کی درخواستیں قبول کرنا شروع کر دیں، اس اقدام نے فلسطینی عوام میں شدید بحث و مباحثے کو جنم دیا۔

ہمارے محلے کے چوراہے پر جہاں مرد حضرات بیٹھتے تھے، میرے دادا بیماری اور بڑھتی عمر کے باوجود، روزانہ کی اس مجلس میں شرکت کرتے تھے، اس معاملے پر بھی بات چیت کی گئی، لوگوں کی رائے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، کچھ نے شدید مخالفت کی، کیونکہ دشمن کی ریاست کی تعمیر اور مضبوطی میں حصہ لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے، جبکہ دشمن کے فوجی ہمارے وطن اور ہمارے لوگوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، کچھ لوگوں نے اس کو غداری کی ایک شکل قرار دیا، جبکہ حقیقت پسند لوگ سمجھتے تھے کہ حقیقت نے خود کو مسلط کر دیا ہے اور اسرائیل کی ریاست قائم ہو چکی ہے، جسے چند سو یا ہزاروں مزدوروں کے نہ کام کرنے سے نہ توڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی کمزور کیا جا سکتا ہے۔ اور ساری بات یہ ہے کہ اس مسئلے کو اس زاویے سے دیکھنا ضروری ہے کہ کچھ گھرانے ایسے ہیں جنہیں روٹی کا نوالہ اور بچوں کے لیے دودھ کی بوند کی ضرورت ہے اور ہمیں وہ بھی نہیں ملتی اور (اسرائیل) میں کام کرنا، اگرچہ مشکل اور کڑوا ہے، لیکن دوسرے زاویے سے ہمارے لوگوں کے کیمپوں اور دیہاتوں میں رہائش برقرار رکھنے کے لیے ایک قومی فرض بھی ہے تاکہ انہیں بحالت مجبوری ہجرت نہ کرنی پڑے، لیکن الخلیل کے اس بازار میں اسرائیل میں کام کرنے کو قبول کرنا زیادہ قابل قبول تھا کیونکہ وہاں کے لوگ حساب کتاب کو بہت بہتر طریقے سے سمجھتے تھے، یہاں اعداد و شمار کا کھیل تھا اور لوگوں کے لیے کام کے مواقع کھولنا ملک کی معیشت کو فروغ دیتا تھا، جس سے ملک کا معیار ہر شعبے میں بلند ہوتا تھا اور ہمارے لوگوں کی زمین سے وابستگی اور مضبوطی میں اضافہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ عملی طور پر تبدیلی کا حکم دے دے۔

خاص طور پر کیمپوں میں رہنے والے مزاحمت کے لوگوں نے بالخصوص الشاطی کیمپ نے اسے جرم سمجھا، انہوں نے ان لوگوں کے بارے میں معلومات جمع کرنا شروع کیں جنہوں نے اجازت نامے حاصل کیے اور ان اجازت ناموں کو مزدوروں سے جمع کر کے تباہ کرنا شروع کیا، اور اس کے خطرات اور قومی وابستگی کے خلاف ہونے کی وضاحت کی، کبھی کبھار، اجازت نامے کے حامل کو پیشانی پر کئی بار بانس کی چھڑی سے مارا جاتا یا اسے تھپڑ مارا جاتا یا سخت سرزنش کی جاتی اور بعض اوقات دیکھنے میں آتا کہ ان مزدوروں میں سے ایک قائل کرنے کی کوشش کرتا اور اپنا اجازت نامہ دینے سے انکار کر دیتا، اپنے پیچھے موجود اپنے بھوکے آٹھ بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا کہ اقوام متحدہ جو امداد دیتی ہے وہ کچھ بھی نہیں اور وہ اکثر بھوکے رہتے ہیں، اور وہ ان فدائیوں سے جو اس کا اجازت نامہ لینا چاہتے، درخواست کرتا کہ اس کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا اجازت نامہ چھوڑ دیں اور اسے کام کرنے کی اجازت دیں، لیکن وہ انکار کر دیتے اور اجازت نامہ لینے پر اصرار کرتے لیکن ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں آنسو بھی بھر آتے جب وہ دیکھتے کہ کس قدر بڑا تضاد ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۴ پر)



امریکہ نے جنوبی افریقہ کے سفیر کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے دیا

امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو کا کہنا تھا کہ امریکہ میں جنوبی افریقہ کے سفیر ابراہیم رسول کا اب ہمارے عظیم ملک میں خیر مقدم نہیں کیا جائے گا۔ ان کا الزام تھا کہ ابراہیم رسول 'ریس بیٹنگ' (رنگ و نسل کی بنیاد پر لوگوں کو نشانہ بنانے والے) سیاست دان ہیں جو صدر ٹرمپ اور امریکہ سے نفرت کرتے ہیں۔ صدر ٹرمپ کا کہنا تھا کہ متنازع ایکٹ کی وجہ سے جنوبی افریقہ میں سفید فام افراد کی ملکیت والے زرعی فارمز پر قبضہ کر لیا جائے گا۔ جنوبی افریقہ کے صدر سیرل رامافوسا نے چند روز قبل ایک پوسٹ میں اپنی حکومت کے ان اقدامات کا دفاع کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم آئین سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں جو ریاست پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ ماضی کے نسلی امتیاز کے اثرات کو دور کرنے کے لیے اقدامات کرے۔ جنوبی افریقہ کے باشندوں نے پانچ صدیوں پر محیط طویل جنگ لڑی ہے۔ جنوبی افریقہ کی پہچان بننے والا نیلسن منڈیلا کی قانونِ نسل پرستی کے خلاف جدوجہد سے افریقہ میں آنے والے انقلاب کو بیسویں صدی کا ایک عظیم انقلاب گردانا جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ء کو سفید فام حکومتی باشندوں کی طرف سے جنوبی افریقہ میں باقاعدہ قانونِ نسل پرستی (Law Apartheid) بنایا گیا جس کے تحت سفید فام الگ، سیاہ فام الگ اور براؤن لوگ (ایشیاء کے لوگ) الگ الگ قانون کے تحت جیتے تھے۔ نیلسن منڈیلا اپنی کتاب "آزادی کا طویل سفر" (A Long Walk to Freedom) میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"قانونِ زمین ۱۹۱۳ء (Land Act 1913) کے تحت جنوبی افریقہ کی نوے فیصد (۹۰٪) زمین کی ملکیت سفید فام لوگوں کو دے دی گئی۔"

متحدہ عرب امارات کی خفیہ طور پر غزہ کے لیے مصری منصوبے کے خلاف لابنگ

مڈل ایسٹ مانیٹر کی رپورٹ کے مطابق متحدہ عرب امارات مبینہ طور پر جنگ کے بعد کے غزہ کے لیے مصر کے منصوبے کو مسترد کروانے کے لیے امریکہ میں لابنگ کر رہا ہے جو ابوظہبی اور قاہرہ کے درمیان تعلقات میں ایک اہم دراڑ کا اشارہ ہے۔ مارچ کے آغاز میں، مصر نے اسرائیل کے وحشیانہ جارحیت کے خاتمے کے بعد غزہ کی پٹی کی سیاسی منتقلی، تعمیر نو اور بحالی کے لیے اپنے منصوبے کو پیش کیا جس کے مطابق فلسطینی اتھارٹی (PA) کی طرز حکمرانی ہو گی، جو کہ اردن اور مصر کی طرف سے تربیت یافتہ غزہ کی سیکیورٹی فورس ہو۔ مصری منصوبے نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے غزہ پر امریکی قبضے اور فلسطینیوں کو علاقے سے جبری بے دخل کرنے کے لیے ایک متبادل کے طور پر کام کیا، جس کے نتیجے میں عرب لیگ نے قاہرہ کی تجویز کی حمایت بھی کی۔ متعدد یورپی ریاستوں نے بھی اس منصوبے کی حمایت کی جبکہ امریکہ اور اسرائیل نے اسے مسترد کر دیا۔ مڈل ایسٹ آئی کی ایک رپورٹ میں امریکی اور مصری حکام کا حوالہ دیتے ہوئے یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ امریکہ میں اماراتی سفیر، یوسف العتیبہ، قانون سازوں اور صدر ٹرمپ کے اندرونی حلقے کے اندر یہ لابنگ کر رہے ہیں کہ مصر کا منصوبہ بے اثر ہے اور فلسطینی مزاحمتی گروپ حماس کو بہت زیادہ راستہ فراہم کرتا ہے، متحدہ عرب امارات کا سفارتی مشن مبینہ طور پر واشنگٹن سے مصر کے لیے جاری فوجی امداد کو قاہرہ کے اپنے منصوبے سے دستبردار ہونے اور ٹرمپ کے منصوبے کو قبول کرنے سے مشروط کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ قاہرہ کو امریکہ سے سالانہ ۱ء۳ بلین ڈالر کی فوجی امداد مل رہی ہے، جس میں سے ۳۰۰ ملین ڈالر پہلے سے ہی انسانی حقوق کے ایشو پر مشروط ہیں، ٹرمپ انتظامیہ نے پہلے ہی اشارہ دیا ہے کہ اس طرح کی فنڈنگ کو مصر اور اردن کو ٹرمپ منصوبہ قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

آئی ایم ایف کی جانب سے ایک ارب ڈالر کی قسط لینے کے لیے پاکستان کو نئے مالیاتی اہداف ملنے کا خدشہ

ذرائع وزارت خزانہ کا کہنا ہے کہ پاکستان اور آئی ایم ایف کے درمیان ورچوئل مذاکرات جاری ہیں، ایک ارب ڈالر کی قسط کیلیے آئی ایم ایف کڑی شرائط پیش کر سکتا ہے جبکہ پاکستان کو نئے مالیاتی اہداف ملنے کا خدشہ ہے۔ حکومت کو نئے مالی سال میں فنانشل اسٹرکچرل بینچ مارک کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، نئے بجٹ میں ٹیکس آمدن بڑھانے کے لیے نئے اہداف ملنے کا امکان ہے۔ آئی ایم ایف سے ٹیکس چوری روکنے کے لیے اقدامات پر بھی تبادلہ خیال ہوا، نئے بجٹ میں ٹیکس کا ہدف ۱۵ ہزار ارب روپے سے زیادہ رکھنے کی تجویز کی گئی ہے۔ اگلے بجٹ میں ٹیکس ٹو جی ڈی پی کی شرح بڑھ کر ۱۳ فیصد تک لے جانے پر بات چیت جاری ہے، نئے بجٹ میں نان ٹیکس ریونیو کی مد میں اگلے مالی سال ۲۷۴۵ ارب جمع کرنے پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔ سینئر صحافی مہتاب حیدر کے مطابق مارچ کے مہینے سے ہی سعودی عرب کی جانب سے پاکستان کو ۱۰۰ ملین ڈالر ماہانہ کی آئل فیسلیلیٹی ملنا شروع ہو گئی ہے جو اگلے سال فروری تک ہر ماہ

دستیاب ہو گی جس کی کل مالیت ایک ارب ۲۰ کروڑ ڈالر ہے۔ مہتاب حیدر کا کہنا تھا کہ سعودی سہولت سے آئی ایم ایف کی اگلی قسط جلد ملنے کی راہ ہموار ہو گئی ہے کیونکہ عالمی مالیاتی ادارے نے پاکستان سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ دوست ممالک سے ڈالرز کی سہولت حاصل کرے۔ انہوں نے کہا کہ سعودی عرب سے ریکوڈک کے لیے سرمایہ کاری اگلے بجٹ سے پاکستان کو ملنے کا امکان ہے۔

خیبر پختونخواہ مانسہرہ میں طالبات کی نازیبا ویڈیوز بنانے والا سرکاری سکول کا اُستاد گرفتار

پولیس نے ملزم سے ۳۲ جی بی پر مشتمل نازیبا ویڈیوز کا ڈیٹا برآمد کرنے کا دعویٰ کیا ہے، جس میں تقریباً ۹۱ ویڈیوز شامل ہیں۔ پولیس کے مطابق مذکورہ ویڈیوز کم از کم تین طالبات کی ہیں جو ضلع مانسہرہ سے تقریباً ۳۲ کلومیٹر کے فاصلے پر موجود تھانہ لساں نواب کی حدود میں واقع سرکاری سکول کے احاطے اور کلاس روم میں بنائی گئی ہیں۔

ڈسٹرکٹ پولیس افسر مانسہرہ کا کہنا تھا کہ پولیس کو ایک طالبہ کے اہلخانہ کی جانب سے اس واقعے کی شکایت درج کروائی گئی۔ جس کے بعد مقدمہ درج کر کے پولیس نے تفتیش کا آغاز کیا تو ملزم تک پہنچنے کے بعد اُس کے موبائل سے دیگر نازیبا ویڈیوز بھی برآمد ہوئی ہیں۔ پاکستان بھر کے تعلیمی اداروں میں اس قسم کے واقعات روٹین کا حصہ بن چکے ہیں۔ لیکن ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے نہ کوئی اقدام نظر آتا ہے نہ ہی حکومت اور تعلیمی اداروں کی جانب سے سنجیدگی۔

وقف ترمیمی بل: بھارتی مسلمانوں کے لیے نیا امتحان

بھارت کی تقریباً تمام مسلم جماعتیں وقف ترمیمی بل کی سخت مخالفت کر رہی ہیں لیکن حکومت اسے ہر حال میں منظور کرانے پر مصر نظر آرہی ہے۔ آنے والے دن ملک میں مسلمانوں کے لیے ایک اور بڑے امتحان کی گھڑی ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہندو قوم پرست جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کے رکن پارلیمان اور وقف ترمیمی بل پر جوائنٹ پارلیمنٹ کمیٹی کے چیئرمین جگدمبیکا پال نے واضح لفظوں میں کہا کہ کسی بھی قسم کے 'خطرات' سے قطع نظر بل کو منظور ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ مسلم تنظیموں کا الزام ہے کہ بی جے پی ایسے قوانین لا کر مسلمانوں کو نشانہ بنا رہی ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تنظیم جماعت اسلامی ہند کے نائب صدر انجینیئر محمد سلیم کے مطابق یہ بل وقف کی خود مختاری پر ایک سنگین حملہ ہے۔ یہ بل مسلمانوں کے اوقاف اور ان کے اداروں کو منظم طریقے سے کمزور کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس بل میں ۱۹۹۵ء کے موجودہ وقف ایکٹ میں وسیع پیمانے پر تبدیلیاں کی گئی ہیں جن کے ذریعے حکومت کو وقف املاک کے انتظام میں زیادہ مداخلت کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ترجمان ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس نے ڈی ڈبلیو اردو سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ملک کا مین اسٹریم میڈیا فرقہ پرستوں کے اس بے بنیاد اور گمراہ کن پروپیگنڈے کو پھیلا رہا ہے کہ ملک میں ملٹری اور ریلوے کے بعد سب سے زیادہ املاک وقف کی ہیں، حالانکہ آندھرا پردیش اور تمل ناڈو کی مشترکہ ہندو وقف املاک اور اوڈیسہ میں مندروں کی املاک وقف کی مجموعی املاک سے کہیں زیادہ ہیں۔ بل کے سب سے متنازع پہلوؤں میں سے ایک ملکیت کے قوانین میں تبدیلی ہے، جس سے بورڈ کی ملکیت میں موجود تاریخی مساجد اور قبرستانوں پر اثر پڑے گا۔ رکن پارلیمان بیرسٹر اسد الدین اویسی نے الزام لگایا کہ ان قوانین کا مقصد مسلمانوں سے ان کی زمین چھیننا ہے۔ اویسی کا کہنا تھا بہت سے لوگوں نے غیر قانونی طور پر وقف پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ نئے قانون میں انہیں یہ دعویٰ کرنے کا موقع مل جائے گا کہ یہ جائیداد ان کی ہے۔ اویسی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ ملک کے سب سے دولت مند شخص مکیش امبانی کا گھر 'انٹیلا' وقف کی زمین پر بنا ہوا ہے، جس کے خلاف عدالت میں ایک کیس زیر التوا ہے۔ مسلم تنظیموں کی جانب سے پرامن مظاہروں کی بات کی جا رہی ہے لیکن ماضی میں یہ دیکھنے میں آیا کہ بی جے پی کی متعصب حکومت نے پرامن مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف بھی طاقت کا استعمال کیا حتیٰ کہ بلڈوزر سے مظاہرین کے گھر مسمار کیے۔

بھارت میں مسلمانوں کے معاشی بائیکاٹ کی مہم کا پھیلاؤ

انڈیا میں پچھلے کچھ سالوں سے سوشل میڈیا پر مسلمانوں کے اقتصادی اور سماجی بائیکاٹ کی طرح طرح کی ویڈیوز اور اپیلیں جاری کی جاتی رہی ہیں۔ سخت گیر ہندو تنظیموں اور حکمران جماعت بی جے پی سے وابستہ مقامی رہنما مسلمانوں کو دکان اور مکان کرائے پر نہ دینے اور ان سے خرید و فروخت نہ کرنے کی اپیلیں کر رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس مہم کو مؤثر بنانے کے لیے مزید کئی اقدامات سرکاری سطح پر لیے گئے ہیں مثلاً دکان کے اصل مالک کا نام بورڈ پر ہونا ضروری ہے اس طرح ہندو تنظیمیں دکانداروں کی شناخت کرنے کے قابل ہو جاتی ہیں پھر انہیں ہراساں کیا جاتا ہے، دھمکایا جاتا ہے، جو دکانیں ان راستوں پر ہیں جہاں کوئی ہندوؤں کا مندر یا مذہبی جگہ ہے، وہاں سے مسلمانوں کی دکانیں ختم کی جا رہی ہیں۔ گوشت کا کاروبار ایک ایسا بزنس ہے جس سے روایتی طور پر لاکھوں مسلمان وابستہ ہیں۔ اترپردیش میں بی جے پی کی حکومت آنے کے بعد بیشتر سلاٹر ہاؤسز غیر قانونی قرار دے کر بند کر دیے گئے۔ ریاست میں مسلم ملکیت والے میٹ کے بڑے بڑے ایکسپورٹنگ پلانٹ مختلف وجوہ سے بند پڑے ہیں۔ میرٹھ کے محمد عمران یعقوب قریشی کا کروڑوں روپے کا پلانٹ چھ برس سے بند پڑا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری سالانہ آمدنی ایک ہزار کروڑ روپے تک ہوتی تھی۔ ۱۵۰۰ سے ۲ ہزار لوگ ہماری کمپنی میں کام کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سپلائر اور مزید ۱۵ سے ۲۰ ہزار لوگ بالواسطہ طور سے وابستہ تھے۔ وہ سب متاثر ہوئے ہیں۔ وہ سب بے روزگار ہو گئے اور مجبوری میں پھلوں کے ٹھیلے لگا رہے ہیں۔

ایغور مسلمانوں کے لیے رمضان کے حوالے سے چینی حکومت کی ہدایات

پولیس افسران اور ایغوروں کی سوشل میڈیا پوسٹس کے مطابق، چینی حکام نے سنکیانگ کے شمال مغربی علاقے میں ایغور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس بات کا ویڈیو ثبوت بھیجیں کہ وہ رمضان کے اسلامی مقدس مہینے میں روزہ نہیں رکھ رہے ہیں۔ چینی سوشل میڈیا پلیٹ فارم ڈوئین پر ایک پوسٹ میں، کاشغر صوبے کی پیزیوات کاؤنٹی کے رہائشی نے کہا کہ اسے عید الفطر تک ہر روز دوپہر کا کھانا کھاتے ہوئے خود کی ویڈیو ریکارڈ کرنی ہو گی۔ اس نے کہا کہ اس کے بعد اسے کمیونٹی میں رہنے والے لوگوں کی نگرانی کے لیے ذمہ دار گاؤں کے کیڈر کو ویڈیو لازمی بھیجنی ہے، انہوں نے مزید کہا کہ وہ یہ مصیبت سے دور رہنے کے لیے کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، میں جہاں بھی جاتا ہوں، بازار ہو یا اسپتال، مجھے ہر روز دوپہر کے کھانے کی ویڈیو ریکارڈ کرنی اور اسے گاؤں کے کیڈر کو بھیجنا ہوتی ہے۔ میرے روزانہ کے یہ ثبوت میرے فون پر بھی محفوظ رہنے چاہئیں۔

بنگلہ دیش کی امریکی انٹیلی جنس سربراہ پر شدید تنقید، تبصرے مسترد

بنگلہ دیش نے امریکہ کی خاتون انٹیلی جنس سربراہ تلسی گبارڈ پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ جنوبی ایشیائی ملک میں مذہبی تشدد کے بارے میں ان کے تبصرے کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا ہے اور کہا کہ تلسی گبارڈ کے تبصرے 'گمراہ کن' اور ملک کی ساکھ کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ تلسی گبارڈ نے کہا تھا کہ مذہبی اقلیتوں کے ساتھ بدسلوکی امریکی حکومت کے لیے باعث تشویش ہے، ٹرمپ انتظامیہ پہلے ہی معاملہ اٹھا چکی ہے۔ بنگلہ دیش کی جانب سے ردِ عمل ایک ایسے موقع پر آیا ہے جب امریکی انٹیلی جنس سربراہ بھارت کے سفارتی دورے پر تھیں۔ اس مسئلے کی شروعات بنگلہ دیش میں حکومت کی تبدیلی کے بعد سے ہوئی۔ جب ہندو انتہا پسندوں نے واٹس ایپ گروپوں میں یہ جھوٹی مہم چلوائی کہ بنگلہ دیش میں ہندو غیر محفوظ ہو گئے ہیں۔ اس مہم کا اتنا اثر ہوا کہ مغربی ممالک میں بھی مقیم بھارتی افراد نے احتجاج اور مظاہرے کیے اور حکومتوں پر زور ڈالا کہ وہ بنگلہ دیش پر دباؤ ڈالیں۔

ترکی یورپ کا ساتھ دینے کے لیے پرعزم

ٹرمپ کے ہاتھ ہتک آمیز رویہ سہنے کے بعد ترکی میں یوکرین کے سفارت خانے نے ترک صدر اردگان اور یوکرینی صدر کی ایک موقع پر ساتھ لی گئی تصویر کو جاری کیا۔ اس تصویر کے جاری کرنے کا مقصد دنیا کو یہ دکھانا تھا کہ یوکرین کو ترکی کی حمایت حاصل ہے۔ جبکہ امریکہ اس بات کے واضح اشارے دے چکا ہے کہ اب یورپ کو اپنی سلامتی اور دفاع کے لیے خود پر انحصار کرنا ہو گا۔ ان حالات میں پورا یورپ بھی یوکرین کی حمایت میں ایک ساتھ کھڑا نظر آتا ہے۔ ترکی کے پاس نیٹو میں امریکہ کے بعد دوسری سب سے بڑی فوج ہے ۔ اردگان نے ایک موقع پر یہ بھی کہا کہ یورپ کے دفاع کے لیے ترکی اشد ضروری ہے، ترکی کو شامل کیے بغیر یورپ کے لیے عالمی سطح پر ایک شراکت دار بنے رہنا تیزی سے ناممکن ہوتا جا رہا ہے اور ترکی کے بغیر یورپ کی سلامتی ناقابل فہم ہے۔ ترکی یوکرین جنگ کے آغاز سے ہی یوکرین کو ڈرون اور فوجی مدد فراہم کر رہا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ انقرہ کے روس سے تعلقات بھی برقرار ہیں اور وہ روس یوکرین جنگ میں ثالثی کے کردار کی بھی کوشش کرتا رہا ہے۔ ترکی کی دفاعی صنعت نے بھی خوب ترقی کی ہے اور اس نے گزشتہ کچھ عرصے میں ڈرون اور کم فاصلے کے میزائل کی ٹیکنالوجی میں ترکی نے بہت کام کیا ہے اور بہت سے ممالک کو برکتار ڈرون فروخت کیے جا چکے ہیں۔ ترک حکام نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ یوکرین میں فوج بھیجنے کے لیے تیار ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ ترک صدر اردگان نے یہ بھی کہا کہ یہ سب بغیر کسی قیمت کے نہیں ہو گا۔ ترکی جو ایک عرصے سے یورپ میں شمولیت کا خواہاں رہا ہے اب اسی ہدف کی سمت بڑھ رہا ہے۔ دوسری جانب ترکی افریقہ میں بھی اپنے اثر رسوخ کو بڑھا رہا ہے۔ اس وقت متعدد افریقی ممالک اور ان مغربی ممالک کی درمیان دوریاں بھی بڑھتی نظر آ رہی ہیں، جنہوں نے کبھی اس خطے میں اپنی نوآبادیاں قائم کر کے حکمرانی کی تھی۔ اس تناظر میں افریقہ میں ترک مفادات سے متعلق مکمل کیے گئے ایک مطالعاتی جائزے کے مصنف سیلین گجم کہتے ہیں کہ اردگان خود کو مغرب کے متبادل کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ اے ایف پی سے گفتگو کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ یورپی ممالک کی نسبت ترکی افریقہ میں اپنی موجودگی کے حوالے سے اپنے 'مخلص' ہونے پر بھی اکثر زور دیتا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں یہ سوال بھی ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ ایسی بھرپور فوجی اور معاشی طاقت کے ساتھ ترکی جو یوکرین جیسی جنگ میں کودنے سے بھی نہیں کترا رہا اور افریقہ کے تنازعات میں بھی ملوث ہونے سے نہیں ہچکچا رہا، اس ترکی کا غزہ کے لیے کیا کردار ہے؟ یہ معاشی و فوجی قوت فلسطینیوں کے کسی کام کیوں نہیں آسکتی؟

سوڈان کا متحدہ عرب امارات کے خلاف عالمی عدالت میں نسل کشی کا مقدمہ

ہیگ میں واقع عالمی عدالت انصاف نے جمعرات کو بتایا کہ سوڈان نے اقوام متحدہ کے اس اعلیٰ ترین عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا ہے جس میں الزام لگایا ہے کہ متحدہ عرب امارات نے سوڈان کی مہلک جنگ میں باغی نیم فوجی گروپ ریپڈ سپورٹ فورسز (آر ایس ایف) کو اسلحہ اور مالی اعانت فراہم کر کے نسل کشی کنونشن کی خلاف ورزی کی ہے۔ سوڈان کا الزام ہے کہ مبینہ طور پر آر ایس ایف اور اتحادی ملیشیاؤں نے مسالیت نسلی گروپ کے لوگوں کو ''نسل کشی، قتل، املاک کی چوری، عصمت دری، زبردستی نقل مکانی، بے دخلی، عوامی املاک کی توڑ پھوڑ، اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی'' جیسے جرائم کا نشانہ بنایا۔ مسالیت

گروپ کے بیشتر لوگ مغربی سوڈان اور مشرقی چاڈ میں رہتے ہیں۔ سوڈان میں اپریل ۲۰۲۳ء کے وسط میں ایک مہلک تنازع کا سلسلہ شروع ہوا، جب اس کی فوج اور نیم فوجی باغیوں کے درمیان دیرینہ تناؤ نے دارالحکومت خرطوم کو اپنی زد میں لے لیا اور یہ ملک کے دوسرے علاقوں تک پھیل گیا۔

اقوام متحدہ کے مطابق، اس جنگ میں چوبیس ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور ۱۴ ملین سے زیادہ لوگ یا تقریباً ۳۰ فیصد آبادی بے گھر ہو چکی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۳.۲ ملین سوڈانی ہمسایہ ممالک میں فرار ہو چکے ہیں۔ سب سے زیادہ خونریزی مغربی دارفور میں ہوئی، جہاں بچ جانے والوں نے روئٹرز کو بتایا تھا کہ جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد مسالیت لڑکوں کو قتل کر دیا گیا جبکہ نوجوان خواتین کو عصمت دری کا نشانہ بنایا گیا۔

سوڈان ۲۰۱۹ء میں عدم استحکام کے ایک نئے دور میں داخل ہوا، جب سڑکوں پر ہونے والے مظاہروں اور فوجی بغاوت نے عمر البشیر کی تقریباً تین دہائیوں کی حکمرانی کا خاتمہ کیا۔

ایک مشترکہ فوجی سویلین حکومت قائم کی گئی تھی، لیکن اکتوبر ۲۰۲۱ء میں فوج اور آر ایس ایف کی طرف سے ایک اور بغاوت میں اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔ پھر یہ دونوں اتحادی شہری حکمرانی کی طرف مجوزہ نقشہ راہ اور آر ایس ایف کو باقاعدہ مسلح افواج میں ضم کیے جانے کے معاملے پر آپس میں لڑ پڑے۔ آر ایس ایف نے اپنے کارکنوں کو ملک بھر میں دوبارہ بھیجا۔ سوڈانی فوج نے اس اقدام کو ایک خطرے کے طور پر دیکھا، اور تشدد شروع ہو گیا۔ اس جنگ کی پیچیدگی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ آر ایس ایف کو یمن جنگ میں سعودی اور اماراتی فورسز کے ساتھ بھیجا گیا۔ لیکن سعودی عرب پر سوڈانی فوج کی حمایت کا الزام ہے جبکہ امارات آر ایس ایف کو مدد فراہم کر رہی ہے۔ اسی طرح روس اور یوکرین سوڈانی فوج کے حامی ہیں جبکہ روس کا ویگنر گروپ آر ایس ایف ملیشیا کا۔ سوڈانی فوج کو ترکی ایران اور الجیریا کی بھی حمایت حاصل ہے۔ اس جنگ میں دونوں فریقین پر جنگی جرائم میں ملوث ہونے کے الزام لگائے جاتے رہے ہیں۔

انڈونیشیا میں ملحدین کے خلاف کریک ڈاؤن

ملحدین اور کسی مذہب کو نہ ماننے والوں کی ایک غیر معمولی قانونی کوشش گزشتہ ماہ انڈونیشیا کی عدالت میں ناکامی سے دوچار ہوئی۔ عدالت نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ ایک شہری، حتیٰ کہ اقلیتوں کو بھی، سرکاری دستاویزات پر اپنے عقیدے کی وضاحت کرنی چاہیے، اور یہ کہ شادی مذہب کے مطابق ہونی چاہیے۔۔ انڈونیشیا، دنیا کا سب سے بڑا مسلم اکثریتی ملک ہے اور سرکاری طور پر چھ مذاہب کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ ہیں اسلام، پروٹسٹنٹ ازم، کیتھولک ازم، بدھ مت، ہندومت، اور کنفیوشس ازم۔ لیکن قانون کے تحت ملحد اور کسی مذہب کو نہیں ماننے والوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ سال دو ہزار بارہ میں، ایک سرکاری ملازم الیگزینڈر عان کو فیس بک پر ملحدانہ مواد شیئر کرنے پر توہین مذہب کے جرم میں ۳۰ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ انڈونیشیا کا ضابطہ فوجداری توہین مذہب اور الحاد کے پھیلاؤ کو قابل سزا قرار دیتا ہے۔ انڈونیشیا میں ان الحاد مخالف قوانین کو مغربی میڈیا نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کے علاوہ ہیومن رائٹس واچ (ایچ آر ڈبلیو) کے ایک محقق آندریاس ہارسونو نے یہاں تک کہہ دیا کہ انڈونیشیا میں ۱۹۹۸ء میں صدر سہارتو کی آمرانہ حکومت کے خاتمے کے بعد سے اسلامی بنیاد پرستی میں اضافہ دیکھا گیا ہے، اور ”عدالت کے نوجج بھی اسلامی بنیاد پرستی سے محفوظ نہیں ہیں“۔ مغربی ممالک اور ان کے زیر اثر چلنے والی عالمی تنظیموں کی جانب سے اسلامی ممالک میں الحاد کو فروغ دینا اور الحادی نظریات رکھنے والے افراد کی آواز بننا ان کے سازشی ایجنڈے کو بہت اچھی طرح ظاہر کرتا ہے۔ پاکستان میں بھی الحادی نظریات والے افراد کو مظلوم بنا کر پیش کرنا میڈیا کا بنیادی وصف بن چکا ہے۔

انڈونیشیا: ہم جنس پسند مردوں کو سزا دینے پر ایمنیسٹی انٹرنیشنل کا واویلا

مسلم اکثریتی ملک انڈونیشیا میں آچے وہ واحد صوبہ ہے جہاں مجرموں کو سرعام لاٹھیاں یا کوڑے مارے جاتے ہیں۔ نیوز ایجنسی روئٹرز کی رپورٹوں کے مطابق یونیورسٹی کے دو طلبا کو، جن کی عمریں ۱۸ اور ۲۴ سال تھیں، اسلامی مذہبی پولیس کے اہلکاروں نے علاقائی سرکاری ہال میں ہم جنس پرستی کے الزم میں کوڑے مارے گئے۔ اس موقع پر وہاں نہ صرف درجنوں افراد بلکہ ان دونوں مردوں کے اہلخانہ بھی موجود تھے۔ دریں اثنا ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ڈپٹی ریجنل ڈائریکٹر مونٹس فیرر نے ایک بیان میں کہا، ”کوڑے مارنا امتیازی سلوک کا ایک خوفناک عمل ہے۔ بالغوں کے درمیان رضامندی کے ساتھ جنسی تعلقات کو کبھی بھی مجرمانہ قرار نہیں دیا جانا چاہیے“۔ نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیموں کے نام پر مغرب نے جو فساد مسلم معاشروں میں مضبوط کیا ہے آج اس کا سامنا سبھی مسلم ممالک کو ہے۔ یہ تنظیمیں کتنی ڈھٹائی سے اس مکروہ جرم کے ارتکاب کی آزادی کی بات کرتی ہیں۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اس عمل میں مبتلاء شخص کو قاضی سخت سے سخت سزا دے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں تک منقول ہے کہ اس شخص کو پہاڑ سے نیچے گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں اس لیے کہ اللہ تعالی نے اس عمل میں مبتلا قوم کو یہی سزا دی ہے۔[1]

☆☆☆☆☆

[1] فتویٰ نمبر: ۱۴۴۴۰۰۷۲۰۰۲۲۲ دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن



عید کے دن!

حافظ ابن الامام

دلِ بے کل میں کیوں اتنی چبھن ہے عید کے دن
طبیعت میں بھی میلانِ سخن ہے عید کے دن

یہ کیسی عید ہے، ہر غنچۂ گلشن فسردہ
نسیمِ صبح میں کتنی جلن ہے عید کے دن

عجب دل سوز منظر چشمِ حیراں دیکھتی ہے
فساد و ظلم میں ڈوبا وطن ہے عید کے دن

کہیں برپا سرود و رقص و مے نوشی کی محفل
کہیں افلاس سے سوکھا دہن ہے عید کے دن

کہیں مزدور کو اک بھی نہیں لقمہ میسر
کہیں محلوں میں اربوں کا غبن ہے عید کے دن

کہیں پر اطلس و کمخواب سے سجتی قبائیں
کہیں لاشہ بھی بے گور و کفن ہے عید کے دن

کہیں ہلکی حرارت بھی نزاکت پر ہے آتش
کہیں زخموں سے سربستہ بدن ہے عید کے دن

کہیں طاغوت کی چوکھٹ پہ افگندہ جبینیں
کہیں تجدیدِ عزمِ بت شکن ہے عید کے دن

کہیں شرم و حیا کے نور سے چہرے ہیں تاباں
کہیں بے حد فحاشی کا چلن ہے عید کے دن

کوئی سرشار ہے ایمان کی تابندگی پر
کوئی مستانۂ کبر وھن ہے عید کے دن

کسی کو فکرِ ایماں جانبِ کہسار کھینچے
کسی کو لطفِ عصیاں کی لگن ہے عید کے دن

اٹھو حافظ کہ بس اب آ گیا وقتِ بغاوت!
فضا میں پھر وہ طوفانِ کہن ہے عید کے دن

فلسطین سے باہر فلسطین کی جنگ

’’یہ سوچنا کہ غزہ کی جنگ اور مسجد اقصیٰ کی آزادی کا معرکہ بس فلسطین میں ہی لڑا جا سکتا ہے جبکہ دور بیٹھ کر یہ ہمارے بس میں نہیں، ایسا سوچنا سادگی نہیں بلکہ امت کے حق میں جرم ہوگا، اس لیے کہ یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ فلسطین میں یہ اہل غزہ کا معرکہ تب ہی کامیاب ہوگا، جب اس سے باہر ہم اپنی اپنی زمینوں پر، جہاں ہم واقعی کچھ کر سکتے ہیں، اس کو اپنا سمجھیں اور اُن قوتوں کو کمزور کرنے کے لیے متحد ہو جائیں جو اسرائیل کی جان و روح بنی ہوئی ہیں۔ ضروری ہے کہ انگریز کی تشکیل کردہ صہیونی غلام فوج کو اپنا کہنے کی بجائے خود اپنے اسلامی لشکر ہم تشکیل دیں، مساجد و مدارس اور منبر و محراب کو اپنی تحریک کے محور بنائیں اور اپنی زمین پر حزب اللہ بن کر حزب الشیطان، اس صہیونی اتحاد کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔‘‘

استاد اسامہ محمود

